دلی
درگاہ شاہ مرداں
خلیق انجم
اردو اکادمی دلی

دلّی
کی
درگاہ شاہِ مرداں

خلیق انجم

اُردو اکادمی، دہلی

سلسلہ مطبوعات اردو اکادمی ۲۹

DILLI KI DARGAH SHAH MARDAN
WRITTEN BY DR. KHALIQ ANJUM
1988-PRICE Rs. 33—00

سنہ اشاعت: فروری ۱۹۸۸ء
قیمت: ۳۳/۰۰ روپے
بہ اہتمام: ڈاکٹر انتظار مرزا
طباعت: ثمر آفسٹ پرنٹرز، دہلی
ناشر و تقسیم کار: اُردو اکادمی، دہلی۔ گھٹا مسجد روڈ دریا گنج، نئی دہلی ۔۲
ISBN 81—7121—028—7

دلّی کی عظیم تہذیب کے امین

حکیم عبدالحمید

کی نذر

خلیق انجم

فہرست

		صفحہ	نمبر
پیش لفظ	کرنل بشیر حسین زیدی	ص	۱۱
حرفِ آغاز	سید شریف الحسن نقوی	ص	۱۵
سید حسین علی جعفری صاحب کا خط		ص	۱۹
کچھ اس کتاب کے بارے میں		ص	۲۳
شاہِ مرداں کا محلِ وقوع		ص	۳۳
جور باغ (موضع خیر پور)		ص	۳۳
کربلا		ص	۳۴
ماہ خانم کی قبر		ص	۴۶
اشرف بیگ خاں کی قبر		ص	۵۱
جسٹس مرتضیٰ فضل علی کی قبر		ص	۵۱
نجف علی خاں کی قبر		ص	۵۲
موضع علی گنج کی فصیل		ص	۵۳
علی گنج کا شمالی دروازہ		ص	۵۴
نواب قدسیہ اور نواب بہادر جاوید خاں		ص	۵۵
جاوید خاں کا قتل		ص	۵۶

	صفحہ	نمبر
ایک منہدمہ مسجد	ص	۵۸
قناتی مسجد	ص	۶۱
زینت کی مسجد	ص	۶۱
زینت کا مکان	ص	۶۵
نقارخانہ	ص	۶۶
نقار خانے کے متصل مسجد	ص	۷۱
مہابت خاں کا مقبرہ	ص	۷۲
ایک منہدمہ مسجد	ص	۷۵
درگاہ عارف علی شاہ	ص	۷۵
درگاہ شاہِ مرداں	ص	۷۷
قدم مبارک	ص	۷۸
بی بی فاطمہ کی چکّی	ص	۸۴
محل دار بیگم کی قبر	ص	۸۹
احمد حسین کی قبر	ص	۹۰
اکبر مرزا کی خاندانی ہڑواڑ	ص	۹۲
کاظمین	ص	۹۳
مہرالنسا بیگم کی چوکھنڈی	ص	۹۴
عشرت کی قبر	ص	۹۵
مجبر نواسی بیگم	ص	۹۴
شاہی خاندان کا قبرستان	ص	۹۵
مرزا محسن کی قبر	ص	۹۵
شرف النسا عرف حاجی بیگم کی قبر	ص	۹۶
صدر النسا کی قبر	ص	۹۶

	صفحہ	نمبر
سادات خاں کی قبر	ص	۹۶
قاسم علی خاں کا مزار	ص	۹۷
حافظ محمد حفیظ کی قبر	ص	۹۷
شاہ نعمت الٰہی کی قبر	ص	۹۸
شاہ نعمت الٰہی کی چوکھنڈی	ص	۹۸
شاہ مرداں میں قدیم ترین قبر کا کتبہ	ص	۹۹
عشرت علی خاں کا مجلس خانہ	ص	۱۰۰
مجلس خانہ کی کے اندر کی قبریں	ص	۱۰۵
نواب سید سلطان مرزا کی قبر	ص	۱۰۵
پہلے دالان کے اندر کی قبر	ص	۱۰۵
عباس مرزا کی قبر	ص	۱۰۵
کبریٰ بیگم کی قبر کا کتبہ	ص	۱۰۶
حسین مرزا کی قبر	ص	۱۰۶
عشرت اللہ کی قبر	ص	۱۰۷
سیدہ خاتون کی قبر	ص	۱۰۷
محمد میر کی قبر	ص	۱۰۸
آغا محمد یوسف کی قبر	ص	۱۰۸
تیسرے دالان کی قبریں	ص	۱۰۹
سید علی حسن کی قبر	ص	۱۱۰
سجاد کی قبر	ص	۱۱۱
ولایتی خانم کی قبر	ص	۱۱۱
بیبا جان کی قبر	ص	۱۱۱
جاوید خاں کی قبر	ص	۱۱۳

	ص	نمبر
مجلس خانہ	ص	۱۱۳
خورشید علی رضوی کی قبر	ص	۱۱۵
کربلائی بیگم کی قبر	ص	۱۱۵
مولوی سید علی حسن کی قبر	ص	۱۱۶
نواب مبارک محل کا مقبرہ	ص	۱۱۶
نواب قدسیہ کی مسجد	ص	۱۱۶
عیسیٰ خاں کی باغیچی	ص	۱۱۹
نواب ابراہیم بیگ کا مزار	ص	۱۲۰
مرزا نجف خاں اور اُن کا مقبرہ	ص	۱۲۰
مقبرہ مرزا نجف خاں	ص	۱۲۲
صفدر جنگ	ص	۱۲۹
صفدر جنگ کا مقبرہ	ص	۱۳۷
بخشی الملک اشرف الدولہ افراسیاب کی قبر	ص	۱۴۴
انجمن حیدری	ص	۱۴۵
علی گنج کی فصیل اور دوسری عمارتوں کا انہدام	ص	۱۴۶
درگاہ شاہ مرداں کی مجلسیں	ص	۱۴۸
حواشی	ص	۱۵۰
کتابیات	ص	۱۵۸
اشاریہ	ص	۱۶۰

پیش لفظ

پروفیسر آل احمد سرور نے جب انجمن ترقی اُردو ہند کی سکریٹری شپ سے استعفیٰ دیا تو نئے سکریٹری کی تلاش شروع ہوئی۔ انہی دنوں انجمن کے صدر جسٹس آنند نرائن مُلّا سے میری ملاقات ہوئی۔ اُن کے پیشِ نظر دو اہم مسئلے تھے۔ پہلا تو انجمن کے جنرل سکریٹری کا تقرر اور دوسرا اُردو گھر کی تعمیر۔ میں اُن سے کئی دفعہ ملا اور زیرِ غور ناموں کے متعلق تبادلۂ خیال ہوا۔ میں نے کہا کہ جنرل سکریٹری کا عہدہ بہت اہم ہے۔ اُسے گوناگوں صلاحیتوں کا حامل ہونا چاہیے۔ مگر میرے خیال میں اُردو گھر کی تعمیر کے لیے جنرل سکریٹری میں علمی اور ادبی قابلیت اور دفتر چلانے کی لیاقت کے علاوہ عملی سوجھ بوجھ، طرح طرح کے مالی اور ٹیکنیکل مسائل کو سمجھنے اور کوشش پیہم سے انھیں حل کرنے کا ہنر ہونا ضروری ہے۔ میں اُردو گھر کی تعمیر کمیٹی کا چیرمین تھا۔ ایک دن اچانک مجھے اس عہدے کے لیے ڈاکٹر خلیق انجم کا خیال آیا۔ وہ ادبی دنیا میں مشہور و ممتاز محقق اور نقّاد کا مقام حاصل کر چکے تھے۔ وزارتِ تعلیم میں ڈپٹی ڈائرکٹر کی حیثیت سے اُنھوں نے اپنی انتظامی صلاحیتوں سے بہت سے لوگوں کو اپنا مدّاح بنا لیا تھا۔ میں بھی اُن کے مدّاحوں میں شامل تھا۔ میں نے جسٹس آنند نرائن مُلّا اور انجمن کی مجلسِ عاملہ کے اراکین سے ڈاکٹر خلیق انجم کا ذکر کیا۔ اُس وقت سکریٹری شپ کے لیے کئی نام سامنے تھے۔ اُن میں سے کچھ لوگ بہت سینیر تھے۔ ڈاکٹر خلیق انجم مقابلتہً کم عمر تھے لیکن اُن حالات میں یہ بات اُن کے حق میں جاتی تھی۔ مجھے

خوشی ہے کہ ڈاکٹر خلیق انجم کا بہ حیثیت سکریٹری تقرر ہوگیا۔

اُردو گھر کا کچھ حصہ تعمیر ہو چکا تھا۔ لیکن رقم نہ ہونے کی وجہ سے طویل عرصے سے کام رُکا ہوا تھا۔ ٹھیکیدار کے تقریباً دو لاکھ روپوں کے بلوں کی ادائگی کرنی تھی اور سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ کہیں سے ایک روپیہ بھی آنے کی اُمید نہ تھی۔ ان حالات میں ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنے عہدے کا چارج لیا۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر دو تین دن تک روپیہ حاصل کرنے کے مختلف ذرائع پر غور کیا گیا اور آخر ہم نے ہندوستان کے مختلف شہروں کا دورہ کرکے اُردو گھر کی تعمیر کے لیے رقم جمع کرنے کا پروگرام بنایا۔ سب سے پہلے ہم بمبئی پہنچے وہاں ہر طرح کے لوگوں سے ملے لیکن افسوس ہے کہ ہمیں سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ وعدے تو بہت ملے لیکن رقم کہیں سے نہ ملی۔ اُس زمانے میں رجنی پٹیل مہاراشٹر پردیش کانگریس کمیٹی کے صدر تھے۔ وہ میری بیوی قدسیہ بیگم مرحوم کو بہن کہتے تھے جب ہم اُن کے پاس گئے تو اُنھوں نے رقم جمع کرنے سے تو معذوری کا اظہار کیا لیکن یہ کہہ کر اپنی جیب سے دس ہزار روپے دیے کہ بہنوئی گھر آئے تو خالی ہاتھ کیسے جانے دوں۔ اگر بمبئی میں رجنی پٹیل نہ ہوتے تو ہم لوگوں کو بے نیل و مرام ہی دہلی واپس آنا پڑتا۔ اس ناکامی کو دیکھ کر ہم لوگوں نے دوروں کا پروگرام منسوخ کر دیا۔ اُردو گھر کی عمارت کیسے مکمل ہوئی؟ کہاں کہاں سے رقم آئی؟ یہ داستان بہت طویل ہے۔ مختصر یوں سمجھ لیجیے کہ اُردو گھر کی عمارت جس کی قیمت اس وقت تقریباً ایک کروڑ روپیہ ہے اور جو انجمن کے تمام اخراجات کی کفیل ہے، تنہا ڈاکٹر خلیق انجم کا کارنامہ ہے۔ ہاں اُردو گھر کی تعمیر کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے میں اُن کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی ضرور کرتا رہا۔ جب خلیق انجم اُردو گھر کی تعمیر میں مصروف تھے تو اُن کے مخالفوں نے زمین آسمان ایک کر رکھا تھا۔ میں نے پوری کوشش کی کہ خلیق انجم کو مخالفوں کے ہاتھوں نقصان نہ پہنچے۔ خلیق انجم نے اپنی ذاتی کوششوں سے بینکوں سے روپیہ قرض لے کر اور کرایہ داروں سے پیشگی رقم لے کر عمارت کا کام مکمل کیا۔ ان ذرائع سے حاصل کی ہوئی رقم بہت محدود تھی۔ خلیق انجم نے محنت کرکے جدید تعمیر کے فن سے غیر معمولی واقفیت حاصل کی اور پھر ایسی کفایت شعاری سے کام لیا کہ کم رقم میں شاندار

عمارت تعمیر ہو گئی۔ خلیق انجم کو اس فن میں اتنی مہارت حاصل ہو گئی ہے کہ دہلی میں غالب ہاؤسنگ سوسائٹی کے تین سو سے زائد فلیٹ بن رہے ہیں۔ جن پر لگ بھگ ڈھائی کروڑ روپیہ اب تک خرچ ہو چکا ہے اور ڈیڑھ کروڑ روپیہ مزید خرچ ہوگا۔ وہ پہلے دن سے ہی اس سوسائٹی سے منسلک ہیں۔ مختلف عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ اور آج کل اس کے صدر ہیں۔ تعمیر کے سلسلے میں جب بھی مجھے مشوروں کی ضرورت ہوتی ہے، میں انہی کو بلاتا ہوں۔

خلیق انجم کو دلّی سے والہانہ محبت ہے۔ وہ بہت سی ادبی تنظیموں کے صدر یا سکریٹری ہیں اور ہر تنظیم میں اُن کی کوشش ہوتی ہے کہ قدیم دلّی کی علمی، ادبی، ثقافتی زندگی پر سیمینار کرائے جائیں یا کتابیں لکھوائی جائیں۔ اُن ہی کی تحریک پر اُردو اکادمی دہلی سے دہلی کے موضوع پر اب تک خاصی تعداد میں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

میں نے پوری تفصیل یہ بتانے کے لیے بیان کی ہے کہ ڈاکٹر خلیق انجم کا ذوقِ فنِ تعمیر ترقی کرتے کرتے یہاں تک پہنچ گیا کہ انھیں آثارِ قدیمہ کی تعمیر میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اس فن پر انھوں نے اتنا کچھ پڑھا ہے کہ اب اُن کی حیثیت آثارِ قدیمہ کے ماہر کی ہو گئی ہے۔ اس کتاب میں تو انھیں فنِ تعمیر میں اپنی صلاحیتوں کے دکھانے کا موقع زیادہ نہیں ملا۔ کیوں کہ اس میں تو صرف تحقیق کا کام تھا۔ لیکن وہ جب مختلف آثارِ قدیمہ کی تعمیر کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو واقعی حیرت ہوتی ہے۔ انھوں نے آثارِ قدیمہ کا علم اپنے ذوق و شوق سے حاصل کیا ہے۔ دلّی اُردو اکادمی کے ماہانہ رسالے "ایوانِ اُردو" میں دلّی کے آثارِ قدیمہ پر اُن کے مضامین قسط وار شائع ہو رہے ہیں، جنھیں میری طرح بے شمار لوگ شوق سے پڑھتے ہیں۔

۱۹۴۷ء اور اُس کے بعد کے فسادات میں درگاہ شاہ مرداں کو بہت نقصان پہنچا۔ ایک طرف تو شر پسندوں نے اس پر قبضہ جمایا۔ مقبروں کو مسمار کیا اور بہت سے مشاہیر کے مزاروں کو تباہ کر کے ان کی یاد مٹا دی۔ سنگ مرمر کی بڑی خوبصورت جالی کو توڑ ڈالا اور درگاہ کی عمارت کی تباہ کاری ہوتی رہی۔ اِدھر سرکاری اہل کاروں نے درگاہ کی املاک پر قبضہ جمانا شروع کر دیا۔ درگاہ کی

چار دیواری غائب ہوگئی اور درگاہ کی بے حرمتی ہونے لگی۔ کچھ مسلمان اس فکر میں تھے کہ کم سے کم چار دیواری از سرِ نو بنا دی جائے۔ ایک دن میں اور لال بہادر شاستری شاہ مرداں کے پاس سے گزر رہے تھے۔ میں شاستری جی کو درگاہ کے اندر لے گیا۔ انہیں درگاہ کی منہدم چہار دیواری اور خستہ حالی کو دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ انہوں نے اسی وقت حکم دیا کہ چہار دیواری پی ڈبلیو ڈی بنوائیگی۔ اس کے بعد اشرف علی سمار صاحب نے زرِ کثیر صرف کر کے درگاہ کی عمارت کی مرمت کرائی اور چھتوں کو، جو بہت شکستہ حالت میں تھیں، درست کرایا۔

عام خیال یہ تھا کہ محمد شاہ بادشاہ کی بیگم نواب قدسیہ نے قدم شریف حاصل کر کے اس مقام پر نصب کیا تھا جسے ہم شاہ مرداں کہتے ہیں۔ یہ بھی خیال تھا کہ نواب قدسیہ ہی نے علی گنج آباد کیا تھا۔ اور درگاہ شاہِ مرداں کی تعمیر کی تھی۔ خلیق انجم نے مدلل طریقے سے ثابت کیا ہے کہ نواب قدسیہ سے دو سو سال قبل بھی قدم شریف یہیں موجود تھا۔ انہوں نے فارسی میں لکھی گئی مختلف تاریخوں کے حوالے سے اُن تمام قبروں کی بھی نشان دہی کی ہے، جو شاہِ مرداں میں تھیں اور بعد میں مسمار کر دی گئیں۔

کربلا اور شاہِ مرداں کی تاریخ، اس کی عمارتوں اور وہاں مدفون لوگوں پر یہ پہلی کتاب ہے۔ یہ علمی کام تو ہے ہی لیکن اُنھوں نے اپنی عاقبت بھی سنواری ہے۔ درگاہ شاہِ مرداں سے تمام عقیدت رکھنے والوں کی طرف سے میں ڈاکٹر خلیق انجم کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا اُنھیں اسی طرح کے بہت سے کام کرنے کا حوصلہ دے۔

بشیر حسین زیدی

حرفِ آغاز

ڈاکٹر خلیق انجم دہلی کے ایک قدیم خاندان کے چشم و چراغ اور اس تہذیبی فضا کے پروردہ ہیں جسے دہلویت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دہلی اور متعلقاتِ دہلی کے ساتھ جو گہرا تعلقِ خاطر اور والہانہ جذباتی اور ذہنی وابستگی دہلی والوں کی پہچان رہی ہے، وہ خلیق انجم صاحب کی بھی امتیازی شناخت ہے۔ دہلی کی زبان، دہلی کا رہن سہن، رسم و رواج، دہلی والوں کے اطوار و عادات، ان کے ثقافتی اور تفریحی مشاغل، ان کی علمی ادبی فتوحات، فکر و فلسفہ، تاریخ و آثار۔ خلیق انجم صاحب ان میں سے ہر چیز کے وارفتگی کی حد تک دلدادہ ہیں۔ انھوں نے مرزا مظہر جانِ جاناں، مرزا محمد رفیع سوداؔ اور مرزا غالبؔ پر تحقیقی کام کر کے اپنی اس دلدادگی کا جو حق ادا کیا ہے اس سے پوری اُردو دنیا واقف ہے۔ یہ تینوں ہی شاعر دہلی کے ادبی منظر نامے کا حرفِ جلی ہیں اور اُن کی شخصیت اور شاعری سے شناسائی، اس عہد کی دہلی کی بازیافت کے مترادف ہے۔ مرزا مظہر جانِ جاناں شاعر ہی نہیں، صوفی بھی تھے اور تصوف نے دہلی ہی نہیں، پورے برصغیر کی سماجی زندگی اور تہذیبی ماحول پر جو گہرے اثرات مرتب کیے ہیں اور اس زمین پر روحانی ارتفاع، ذہنی رواداری اور جذباتی ہم آہنگی کی جو فصلیں بوئی ہیں، اس سے کون باخبر نہیں۔

دہلی میں جب اُردو اکادمی قائم ہوئی تو اس کے مقاصد میں اُردو زبان و ادب کے فروغ کے ساتھ ساتھ ایک یہ مقصد بھی شامل تھا کہ دہلی کی مخلوط آبادی کو اُردو تہذیب اور اردو ثقافت کے رنگا رنگ پہلوؤں سے زیادہ سے زیادہ باخبر کیا جائے اور کثرت میں وحدت کی اس فضا سے قریب تر لایا جائے جو اردو زبان کی خاص دین ہے۔ اس کا ایک ذریعہ سماجی اور ثقافتی تقریبات تھیں اور دوسرا وسیلہ تھا ان آثار و اقدار کی بازیافت جن سے موجودہ نسلیں بہ وجوہ کم آشنا ہیں۔ باکمال بزرگوں کے کارناموں کی یادیں، خواہ یہ کارنامے زندگی کے کسی شعبے سے تعلق رکھتے ہوں، بعد کے لوگوں کے لیے اگر وہ صاحبِ توفیق ہیں، سرچشمۂ فیضان ہوا کرتے ہیں۔ نئی نسلیں اپنے بزرگوں کی قائم کردہ روایات کا شعور رکھتی ہوں تو اپنی زندگی کو زیادہ بھرپور اور زیادہ بامعنی بنا سکتی ہیں۔ انجم صاحب اردو اکادمی، دہلی کی تحقیقی اور طباعتی کمیٹی کے چیرمین مقرر ہوئے تو انھوں نے اکادمی کی طرف سے ایسی کتابوں کی اشاعت کا منصوبہ تیار کیا جو دہلی کی تاریخ و تہذیب کو روشن کرنے والی ہوں۔ ماضی میں دہلی اور لکھنؤ یہ دو شہر ایسے مراکز رہے ہیں جہاں رونما ہونے والے حالات وواقعات نے اور جہاں جنم لینے والے افکار و اقدار نے پورے ملک کو کسی حد تک لیکن شمالی ہندوستان کو پوری طرح اپنی گرفت میں رکھا ہے اور گنگا جمنی معاشرے کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا ہے جسے ہم ہندوستان کا ملا جلا معاشرہ کہہ سکتے ہیں۔ خلیق انجم صاحب کے منصوبے کے دو پہلو تھے۔ اوّلاً ان کتابوں کی دوبارہ اشاعت جو اس موضوع کا احاطہ کرتی ہیں اور معتبر مصنفین کی لکھی ہوئی ہیں لیکن اب نایاب ہو چکی ہیں، دوم اس موضوع پر نئی کتابوں کی تیاری اور طباعت۔ اس منصوبے پر اکادمی عمل شروع کر چکی ہے اور اس سلسلے کی اب تک سولہ کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

خلیق انجم صاحب کے علم و مطالعہ کا میدان بہت وسیع ہے۔ ادبی تحقیق کے ضمن میں ان کا تازہ ترین کارنامہ غالب کے خطوط کی چار جلدوں میں ترتیب و تدوین ہے جس نے انھیں ماہرینِ غالبیات کی صف میں شامل کر دیا ہے۔ اُن کے اس کام کی جن لوگوں نے غیر مشروط ستائش کی ہے اُن میں مالک رام،

مختار الدین احمد، نثار احمد فاروقی، رشید حسن خاں، گوپی چند نارنگ، اور جگن ناتھ آزاد جیسے صاحبانِ فکر و نظر شامل ہیں۔ اب تک غالب کے جتنے خطوط دستیاب ہوئے ہیں ان سب کو خلیق انجم صاحب نے تاریخی ترتیب کے ساتھ یکجا کر دیا ہے اور خطوط کا صحیح ترین متن پیش کرنے کی کوئی کوشش فرو گزاشت نہیں کی ہے۔ متن کے مآخذ کی نشاندہی، اختلافِ نسخ کا اندراج اور زمانۂ تحریر کا تعین اس میں جو محنت صرف ہوئی ہوگی اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنھیں خود کبھی یہ ہفت خواں سر کرنا پڑا ہو۔ پھر جہاں جہاں ضرورت محسوس کی گئی ہے، خطوط پر مفید حواشی بھی سپردِ قلم کیے گئے ہیں۔ "غالب کے خطوط" کی اب تک تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

خلیق انجم صاحب کو فنِ تعمیر سے بھی گہرا لگاؤ ہے اور وہ جدید و قدیم فنِ تعمیر سے خاطر خواہ واقفیت رکھتے ہیں۔ اُن کی اسی دلچسپی نے انہیں سر سید کی کتاب "آثار الصنادید" کا تنقیدی اڈیشن تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ کیا اور وہ گزشتہ ایک برس سے اس کام میں مصروف ہیں۔ اسی کام نے دہلی کے آثارِ قدیمہ پر خود بھی قلم اُٹھانے کی تحریک دی اور انہوں نے اردو اکادمی کے ماہانہ رسالے "ایوانِ اُردو، دہلی" میں اس عنوان سے وہ سلسلۂ مضامین شروع کیا جسے اس رسالے کے ہر جگہ کے قارئین پسند کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مضامین کی اشاعت کے نتیجہ میں بعض حضرات کو ہندوستان کے دوسرے تاریخی شہروں کے آثارِ قدیمہ پر بھی قلم اُٹھانے کا خیال آیا ہے۔

خلیق انجم صاحب کے اس سلسلۂ مضامین کی ایک کڑی درگاہ شاہ مرداں سے متعلق تھی جو "ایوان اردو، دہلی" کے ماہ جولائی ۱۹۸۷ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ لیکن جیسا کہ خود خلیق انجم صاحب نے لکھا ہے، بعد میں انہیں خیال آیا کہ یہ تاریخی یادگار جسے مذہبی احترام بھی حاصل ہے، اس کے آثار و احوال کا بیان ایک مختصر مضمون میں نہیں سما سکتا، یہ تفصیلات پوری ایک کتاب کی متقاضی ہیں، چنانچہ انھوں نے زیرِ نظر کتاب کا ڈول ڈالا اور اب یہ ایک ایسی دستاویز کی صورت میں جو مستند حوالوں سے آراستہ ہے، آپ کے سامنے ہے۔

"کچھ اس کتاب کے بارے میں" لکھتے ہوئے خلیق انجم صاحب ایک جگہ رقم طراز ہیں۔ "ایوان

اردو، دہلی کے لیے، میں شاہ مرداں کی عمارتوں کی تصویریں لے رہا تھا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ شاہ مرداں مقدس تاریخی مقام ہے۔ بہت سی کتابوں میں اس کا مختصر ذکر ہے لیکن اس پر ابھی تک کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی ۔۔۔ یہی سوچتا ہوا میں شاہ مرداں سے واپس آرہا تھا۔ اچانک محسوس ہوا جیسے پوری کتاب کا مواد مجھ پر روشن ہو رہا ہے ۔۔۔ عام طور سے ہم جو کتاب لکھتے ہیں، تو لکھنے سے پہلے ہمارے ذہن میں کتاب کا جو ڈھانچہ ہوتا ہے، وہ تیار کتاب سے بہت مختلف ہو جاتا ہے ۔۔۔ لیکن اس کتاب کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اس وقت میرے ذہن میں کتاب کے جو نقوش ابھرے تھے، اس میں سرِ مو انحراف کی ضرورت نہیں پڑی۔"

خلیق انجم صاحب نے اسے القا یا بشارت کہنے سے گریز کیا ہے لیکن قدم مبارک کا روحانی فیض تسلیم کیا ہے۔ تو جس کتاب کی تالیف میں مصنف کی کاوشوں کے ساتھ یہ فیض بھی شامل ہو گیا ہو، اس کی پذیرائی کہاں کہاں نہ ہوگی۔!

میں خلیق انجم صاحب کو اس کتاب کی تالیف پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ اسے اردو اکادمی، دہلی شائع کر رہی ہے۔

سید شریف الحسن نقوی
سکریٹری
اردو اکادمی، دہلی

سید حسین علی جعفری صاحب کا خط

میں نے درگاہ شاہ مرداں پر جب کتاب مکمل کر لی تو خیال آیا کہ اپنا مسودہ کسی ایسے صاحب کو دکھادوں جن کا درگاہ شاہ مرداں سے تعلق ہو اور جو درگاہ سے متعلق واقفیت رکھتے ہوں۔ اس سلسلے میں میری نظر جناب سید حسین علی جعفری صاحب پر پڑی، میں نے اُن سے درخواست کی، جسے موصوف نے بخوشی منظور کر لیا۔ جعفری صاحب نے مسودے کے سلسلے میں مجھے جو خط لکھا تھا وہ میں یہاں نقل کر رہا ہوں کیوں کہ اس میں بہت سی اہم تاریخی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

خلیق انجم

۲۱راگست ۱۹۸۷ء

برادرم خلیق انجم صاحب

آداب!

میں پہلی مرتبہ ۱۹۳۷ء میں درگاہ شاہ مرداں علی گنج میں گیا تھا۔ وہ زمانہ میری تعلیم کا تھا۔ اس زمانے میں حضرت علیؓ کی پیدائش کی تاریخ تھی۔ اُس دن ایک جشن ہوتا تھا جو تین روز تک رہتا تھا۔ محفلیں گرم ہوتی تھیں۔ تقاریر ہوتی تھیں اور لنگر وغیرہ تقسیم ہوتا تھا۔ دلی کے علاوہ باہر سے بھی حضرات آتے تھے۔ یہ تمام علاقہ علی گنج ایک فصیل کے اندر آباد تھا۔ درگاہ شاہ مرداں وغیرہ سب اسی چہار دیواری کے اندر تھیں۔ چہار دیواری کے اندر کا علاقہ بہت بڑا اور سینکڑوں ایکڑ میں تھا۔ آبادی بھی سب چہار دیواری کے اندر تھی۔ محرّم میں بھی یہاں مجالس ہوتی تھیں اور ضریح بھی رکھی جاتی تھی۔ حضرت علیؓ کے قدم کے نشان والا پتھر صحن کے درمیان میں تھا جو اب ہٹا کر اندر رکھ دیا گیا ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد یہ جگہ تتر بتر ہو گئی۔ پھر ۱۹۵۱ء تک علی گنج کی بستی میں مکانات ضرور تھے مگر منہدم اور یہ مکانات چہار دیواری کے اندر تھے۔ باوجود اُجڑ جانے کے چہار دیواری تھی۔ فصیل کافی حد تک باقی تھی۔ پرانے مکانات بھی تھے۔ صدر دروازہ تو ۱۹۵۲ء تک رہا تھا۔ اور وہاں میں ثری مہر چند کھنہ کو خود لے کر گیا تھا۔ انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ یہ صدر دروازہ ویسا ہی رہے گا اور گرایا نہیں جائے گا مگر کسی دن رات میں یہ عظیم دروازہ منہدم کر دیا گیا۔ یہ دروازہ درگاہ شاہ مرداں سے کافی دور تھا۔

یعنی قریباً لودی روڈ کے قریب۔ ہز ہائی نس نواب رام پور بھی ان عمارات کو دیکھنے آئے تھے اور پنڈت نہرو کو خط بھی لکھا تھا۔ میں مولانا احمد سعید صاحب قبلہ اور مولانا زبیر قریشی کو شاہ مرداں میں لے گیا تھا اور ان سے تقاریر بھی کروائیں تھیں پھر آہستہ آہستہ عمارتیں گرائی گئیں۔ ایک مسجد بھی جو درگاہ شاہ مرداں کے باہر تھی وہ بھی شہید کی گئی۔ یعنی پرانے علی گنج اور درگاہ شاہ مرداں کے حصوں میں اب نئے مکانات بنے ہیں۔ انجمن حیدری رجسٹرڈ ان عمارات کی متولی ہے اور دیکھ بھال کرتی ہے۔ کرنل بشیر حسین صاحب زیدی اور حقیر اس انجمن کے صدر بھی رہے ہیں۔ میں قریباً ۱۵ سال وقف بورڈ کا ممبر رہا اور صوبہ دہلی کے مختلف اوقاف کے لیے جدوجہد کی جس میں درگاہ شاہ مرداں اور کربلا بھی شامل ہے۔

انجمن حیدری اب بھی درگاہ شاہ مرداں اور کربلا کی متوّلی ہے اور دیکھ بھال رکھتی ہے۔ مگر علاقہ کا احول تبدیل ہو چکا ہے۔ انجمن کے سامنے دشواریاں ضرور ہیں۔ درگاہ شاہ مرداں میں گاہے بگاہے اجتماع ہوتا ہے۔ خاص کر ۷ربیع الاول کو اور چہلم کے موقع پر۔ چہلم کے اندر تعزیے کا جلوس پہاڑی دھیرج سے جامع مسجد ہوتا شام کو درگاہ شاہ مرداں میں پہنچتا ہے جہاں مجلس اور تقاریر ہوتی ہیں۔ تقاریر کرنے کے لیے میں اپنے زمانے میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب صدر جمہوریہ، جناب بھگوان سہائے، جناب کرشن چند، جناب لال بہادر شاستری، جناب مہاویر تیاگی، جناب اجیت پرشاد جین وغیرہ کو وہاں لے آیا۔ اور اس سے قوم کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ درگاہ شاہ مرداں کی مرمت کئی بار ہو چکی ہے ورنہ اب تک یہ عمارت منہدم ہو گئی ہوتی۔ لوگ یہاں مویشی باندھتے تھے جو بہت مشکل سے دور ہوئے اور جگہ خالی کی گئی۔

آپ نے واقعی بڑی محنت اور عرق ریزی کی ہے۔ آج کل ان عمارت پر کچھ لکھنا قبروں سے گڑے مُردوں کو نکالنا ہے۔ آپ جیسا محقق ہی یہ کام کر سکتا تھا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

آپ کا

سید حسین علی جعفری

کچھ اس کتاب کے بارے میں

اردو اکادمی دلّی کی تحقیقی و طباعتی کمیٹی نے فیصلہ کیا تھا کہ قدیم دلّی کی تہذیبی، ادبی اور سماجی زندگی پر کچھ کتابیں لکھوائی جائیں اور کچھ پرانی کتابوں کے ری پرنٹ شایع کیے جائیں۔ اب تک اس سلسلے کی سولہ سترہ کتابیں شایع ہو چکی ہیں اور آٹھ دس مزید کتابیں طباعت کے مراحل سے گزر رہی ہیں۔

مدت سے میری تمنا تھی کہ سرسید کی عظیم اور معرکتہ الآرا کتاب "آثار الصنادید" کو مرتب کر کے شایع کروں۔ لیکن اتنا بڑا کام کسی پرائیویٹ پبلشر یا ادارے کے بس کا نہیں تھا۔ میری فرمایش پر اردو اکادمی دلّی نے "آثار الصنادید" کو اپنے اشاعتی پروگرام میں شامل کر لیا۔ مجھے آثار الصنادید کا متن مرتب کرتے ہوئے چار پانچ مہینے ہوئے تھے کہ اردو اکادمی سے "ایوان اردو" کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ جاری کیا گیا خیال آیا کہ میں اس رسالے میں دلّی کے آثارِ قدیمہ پر قسط وار مضامین لکھوں۔ شریف الحسن نقوی صاحب نے میری تجویز بخوشی منظور کر لی، لیکن میں کچھ ایسی مصروفیات میں گھر گیا کہ مضمون لکھنے کا وقت ہی نہ مل سکا اور نوبت یہاں تک آگئی کہ رسالے کے پریس جانے کے چار پانچ دن رہ گئے۔ مجبوراً میں نے سوچا کہ اگلے شمارے سے مضامین لکھنا شروع کروں گا۔ اسی ادھیڑ بُن میں دلّی یونیورسٹی

سے واپس آرہا تھا کہ راستے میں قدسیہ باغ پر میری نظر پڑی اور اچانک اپنے مضمون کا موضوع مل گیا۔ اُس وقت میں نواب قدسیہ کے بارے میں صرف اتنا جانتا تھا کہ وہ ایک رقاصہ تھیں جسن اور فن میں ایسی بے مثال تھیں کہ محمد شاہ بادشاہ اُن سے شادی کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ احمد شاہ بادشاہ انہی کے بطن سے تھا۔ نواب قدسیہ نے قدسیہ باغ اور سنہری مسجد جیسی عمارتیں تعمیر کرائی تھیں اور خدا نے انھیں شاہِ مرداں کی فصیل، مسجد اور حوض وغیرہ بنانے کی توفیق دی تھی۔ الغرض میں نے "نواب قدسیہ" کی تعمیرات کے عنوان سے ماہانہ "ایوان اردو" میں مضامین لکھنے شروع کر دیے۔ تیسری قسط شاہ مرداں کی اُن عمارتوں پر تھی جو نواب قدسیہ نے شاہ مرداں میں تعمیر کرائی تھیں۔ میں شاہ مرداں میں اُن عمارتوں کی تصویریں لے رہا تھا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ شاہ مرداں مقدس اور تاریخی مقام ہے۔ بہت سی کتابوں میں اس کا مختصر ذکر ہے لیکن اس موضوع پر ابھی تک کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی۔ پھر خیال آیا کہ قدمِ مبارک، درگاہ شریف اور یہاں کی دوسری عمارتوں کے بارے میں اتنا کم لکھا گیا ہے کہ پوری کتاب کا مواد ملنا مشکل ہے۔ یہی سوچتا ہوا میں شاہِ مرداں سے واپس آرہا تھا۔ اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے پوری کتاب کا مواد مجھ پر روشن ہو رہا ہے، خیالات اتنی تیزی سے آرہے تھے کہ میں نے سڑک کے کنارے گاڑی روک لی اور فائل میں سے کاغذ نکال کر یادداشتیں قلم بند کرنے لگا۔ دس پندرہ منٹ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ عام طور سے ہم جو کتاب لکھتے ہیں، تو لکھنے سے پہلے ہمارے ذہن میں کتاب کا جو ڈھانچہ ہوتا ہے وہ تیار شدہ کتاب سے بہت مختلف ہو جاتا ہے، کیونکہ کتاب لکھنے کے دوران قدم قدم پر تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن اس کتاب کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اس وقت میرے ذہن میں کتاب کے جو نقوش اُبھرے تھے، اُس میں سرِ مو انحراف کی ضرورت نہیں پڑی ہیں۔ اسے الہام یا بشارت تو نہیں کہوں گا کیوں کہ میں

گناہ گار ہرگز اس کا اہل نہیں لیکن ہاں مجھے یقین کامل ہے کہ یہ قدم مبارک کا روحانی فیض ہے۔ نواب قدسیہ کی تعمیرات پر پہلا مقالہ لکھنے سے اس آخری مقالے تک جب میں نے تمام واقعات پر غور کیا تو یقین ہوگیا کہ مولا کو مجھ سے یہ کام لینا ہی تھا۔

اب کچھ باتیں شاہِ مرداں کے بارے میں ـــ سر سید نے آثار الصنادید کے دوسرے اڈیشن میں لکھا تھا کہ ۱۱۳۷ھ میں (نواب قدسیہ کے پاس ایک پتھر آیا) جس پر نقشِ قدم تھا اور یہ بیان کیا گیا کہ یہ حضرت علیؓ کے قدم مبارک کا نقش ہے۔ نواب قدسیہ نے اس نقش قدم کو اس مقام پر سنگِ مرمر کا فرش کرکر محجر بنایا“ اس کے بعد نواب قدسیہ نے علی گنج یعنی شاہ مرداں کے چاروں طرف فصیل بنوائی اور شاہ مرداں میں کئی عمارتیں تعمیر کرائیں۔ یہ تو درست ہے کہ نواب قدسیہ نے شاہ مرداں میں کئی عمارتیں تعمیر کرائیں لیکن یہ درست نہیں ہے کہ قدم مبارک نواب قدسیہ کے پاس آیا تھا اور انھوں نے یہاں نصب کیا تھا۔ نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خاں نے ”مآثر الامرا“ میں لکھا ہے کہ عہدِ شاہجہاں میں دکن کے صوبیدار مہابت خاں کی لاش کو ان کی وصیت کے مطابق ۱۶۳۴ء میں دکن سے دلّی لاکر شاہ مرداں میں دفن کیا گیا تھا۔ گویا نواب قدسیہ کے اقتدار میں آنے سے ایک سو چودہ سال پہلے قدم مبارک یہاں موجود تھا ایک اور ایسی ناقابلِ تردید شہادت موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آج سے ساڑھے چار سو سال قبل اور نواب قدسیہ سے دو سو سال پہلے سے قدم مبارک یہاں نصب ہے۔ جس شہادت کا میں ذکر کررہا ہوں، وہ شاہِ مرداں کے دروازے کے باہر ایک قبر تھی، جس کا مرزا سنگین بیگ نے ”سیر المنازل“ میں ذکر کیا ہے۔ اب یہ قبر نہیں ہے لیکن مرزا سنگین بیگ نے اس کا کتبہ نقل کیا ہے۔ مادۂ تاریخ ہے۔

جستم معصوم بامامم سوم یاد

۹۵۰ ہجری

اس کا مطلب ہے کہ ۹۵۰ھ (۴۴-۱۵۴۳ء) میں شاہ مرداں موجود تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ قدم مبارک کے نصب ہونے اور شاہِ مرداں کی تعمیر سے قبل یہ قبر موجود ہوگی لیکن اس سلسلے میں میری گزارش ہے کہ یہ مادۂ تاریخ صرف شاہ مرداں کے عقیدت مند کا ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ قبر درگاہ شاہِ مرداں کی تعمیر کے بعد ہی بنی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تحقیق کی جائے تو درگاہ شاہِ مرداں کی مزید قدامت ثابت ہو سکے گی۔ شاہ مرداں کی روحانی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ بڑے بڑے شہریاروں اور کج کلاہوں نے قدمِ مبارک کے قریب آسودۂ خاک ہونے کی تمنّا کی ہے۔ دکن کے صوبے دار مہابت خاں کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کی وصیت کے مطابق ۱۶۳۴ء میں اس کی لاش دکن سے دلّی لا کر شاہ مرداں میں دفن کی گئی تھی۔ مرزا مقیم المخاطب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ کا ۵ اکتوبر ۱۷۵۴ء کو سلطان پور کے قریب پاپڑ گھاٹ میں انتقال ہوا تھا۔ اس کی لاش سلطان پور سے فیض آباد لا کر گلاب باڑی میں دفن کی گئی۔ کچھ عرصے بعد صفدر جنگ کے لڑکے نواب شجاع الدولہ نے دلی میں شاہ مرداں کے قریب شاندار مقبرہ تعمیر کیا اور صفدر جنگ کی لاش کو فیض آباد سے لا کر یہاں دفن کیا۔

مغل حکومت کے امیر الامرا بخشی الملوک مرزا نجف خاں کا مقبرہ بھی اسی احاطے میں بنایا گیا۔ مرزا نجف کے مقبرے میں بخشی الملک اشرف الدولہ افراسیاب کو بھی دفن کیا گیا۔ میرا خیال ہے کہ افراسیاب، مرزا نجف خاں کے قریبی رشتے دار تھے۔ مرزا نجف خاں کے مقبرے میں اُن کی صاحبزادی اور اُس خاندان کے کچھ اور لوگ مدفون ہیں۔

شاہ عالم اور اکبر شاہ ثانی دونوں سنی العقیدہ تھے، لیکن ان دونوں کو اس مقام سے گہری عقیدت تھی۔ مرزا سنگین بیگ نے اطلاع دی ہے کہ شاہ عالم کی صاحبزادی اور نواسی کی قبریں شاہ مرداں میں ہیں۔ اکبر شاہ ثانی کی والدہ نواب مبارک محل بیگم کا مقبرہ اور باغ یہیں تھا۔ اس کا پورا امکان ہے کہ مقبرے اور باغ کی تعمیر اکبر شاہ ثانی نے کی ہو۔

درگاہ شاہ مرداں میں ایک مجلس خانہ ہے۔ اس مجلس خانے کی شمالی دیوار پر یہ کتبہ نصب ہے۔

بدرگاہِ شاہنشہِ دوسرا ے
علی شاہِ مرداں ولیِ خدا ے
بحکم شہِ اکبرِ نامور
چو عشرت علی خاں بیاراست جا ے
ز سیّد شدم سائلِ سالِ آں
ہمیں زد رقم داد ناظر بنا ے

یہ مجلس خانہ انہی عشرت علی خاں نے بنوایا تھا۔ جو اکبر شاہ ثانی کے ناظر تھے۔ قطعۂ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ اکبر شاہ کے حکم سے مجلس خانے کی تعمیر ہوئی تھی، ممکن ہے اس مصرع "بحکم شہِ اکبر نامور" میں شاعرانہ انداز سے کام لیا گیا ہو۔ اگر ایسا ہے تو مجلس خانے کی تعمیر میں بادشاہ کی مرضی کو ضرور دخل ہوگا اور اس کا بھی امکان ہے کہ اکبر شاہ ثانی نے کچھ مشورے دیے ہوں۔

صرف شاہ عالم اور اکبر شاہ ثانی ہی کو شاہِ مرداں سے عقیدت نہیں تھی۔ شاہی خاندان میں عقیدت مندوں کی تعداد خاصی تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بہ قول مرزا سنگین بیگ، شاہ مرداں میں مغل شاہزادوں کا علاحدہ قبرستان تھا۔ ۱۹۴۷ء میں پورے علی گنج اور خود درگاہ شاہ مرداں میں پاکستان سے آئے ہوئے پناہ گزین آباد ہو گئے تھے۔ ۱۹۵۵ء میں ان پناہ گزینوں کو مستقل طور پر آباد کرنے کے لیے علی گنج کی تمام عمارتوں کو گرادیا گیا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ حکومت کے سامنے پناہ گزینوں کی آبادکاری کا بہت بڑا مسئلہ تھا اور اس مسئلے کا حل یہ بھی تھا کہ قدیم کھنڈروں اور عمارتوں کو منہدم کرکے پناہ گزینوں کو پلاٹ فراہم کیے جائیں لیکن اس کام کے لیے جو طریقۂ کار اختیار کیا گیا، وہ غلط تھا۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین کی کمیٹی تشکیل

دی جاتی، جو یہ طے کرتی کہ کون سی عمارت گرائی جائے اور کسے محفوظ رکھا جائے پھر جو عمارتیں گرائی گئی تھیں۔ اُن کے کتبے نیشنل میوزیم میں محفوظ کیے جاتے۔ ۱۹۴۷ء میں علی گنج بالکل خالی ہوگیا تھا۔ درگاہ شریف کے محافظ بھی وہاں نہیں رہے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے درگاہ کے اندر اور باہر کی بے شمار قبریں شہید کر دیں اور سنگِ مرمر اُٹھا کر لے گئے۔ اس طرح شاہ مرداں کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی اور ابھی تک تقریباً وہی حالت ہے۔ آباد کاری کے محکمے نے درگاہ شاہ مرداں کو ڈھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ابھی چاردیواری منہدم کی گئی تھی کہ کرنل بشیر حسین زیدی، جسٹس واس دیو مصرا اور دوسرے حضرات کی مداخلت سے درگاہ کو ڈھانے کا فیصلہ بدل دیا گیا۔ حالات کچھ اس طرح کے تھے کہ درگاہ شریف کی چاردیواری دوبارہ بنانا مسلمانوں کے بس میں نہیں تھا۔ ایک دن کرنل بشیر حسین زیدی اور لال بہادر شاستری شاہ مرداں کے پاس سے گزر رہے تھے۔ زیدی صاحب نے شاستری صاحب سے شاہ مرداں چلنے کی فرمائش کی۔ شاستری صاحب راضی ہوگئے۔ دونوں درگاہ میں پہنچ گئے۔ درگاہ کی منہدم چاردیواری اور خستہ حالت دیکھ کر شاستری صاحب کو بہت افسوس ہوا۔ زیدی صاحب نے محکمہ آباد کاری کے کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالی اور بتایا کہ کس طرح علی گنج کی اہم ترین عمارتوں اور درگاہ شریف کی چاردیواری گرائی ہے۔ شاستری جی نے چاردیواری بنوانے کا وعدہ کیا چند روز میں سی پی ڈبلیو ڈی نے واقعی چاردیواری بنا دی۔ درگاہ شاہ مرداں کی حالت بہت خراب ہے۔ از سرِ نو تعمیر کی ضرورت ہے۔ تعمیر کے لیے اگرچہ درگاہ میں مرمت کا کام مسلسل ہوتا رہتا ہے لیکن کسی پلان کے تحت نہیں۔ اس لیے ماہرین کی کمیٹی تشکیل دی جانی چاہیے۔ یہ کمیٹی تعمیر کا پورا نقشہ مرتب کرے۔ رقم اکٹھا ہوتی جائے اور اس نقشے کے مطابق کمیٹی کی نگرانی میں مرمت یا نئی تعمیر کا کام ہوتا جائے۔ درگاہ شاہِ مرداں میں دفن ہونے کو لوگ اپنے لیے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ مہابت خاں اور صفدر جنگ کی لاشیں سینکڑوں میل دور سے دلّی لائی گئیں۔ یہ تو وہ لوگ تھے، جن کا حال ہمیں معلوم

ہے۔ یقیناً کچھ اور بھی عقیدت مند ہوں گے، جن کا انتقال دلّی سے بہت دور کسی مقام پر ہوا لیکن اُن کی وصیت کے مطابق اُن کی لاش کو دلّی لاکر دفن کیا گیا ہوگا۔ درگاہ شاہ مرداں کا احاطہ بہت چھوٹا ہے اور صدیوں سے بہت سے عقیدت مند یہاں دفن ہونے کے متمنّی رہے ہیں۔ احاطے میں اتنی قبریں بن گئیں کہ چلنے کی جگہ باقی نہیں رہی، اس لیے انھیں ہموار کردیا گیا۔ پھر ان میں سے بہت سی قبروں کے تعویز یا سرہانے کے کتبے سنگ مرمر کے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں جب درگاہ میں محافظ نہیں رہے تو وہاں رہنے والے لوگوں نے سنگِ مرمر کے لالچ میں تقریباً تمام قبریں شہید کردیں۔ مرزا سنگین بیگ نے "سیر المنازل" میں اور بشیر الدین احمد نے "واقعاتِ دارالحکومت دہلی" (جلد سوم) میں ان قبروں کے کتبے نقل کیے ہیں۔ ان میں بعض قبریں تاریخی اہمیت کی ہیں اور ممکن ہے کہ بعض کی تاریخی اہمیت کا اندازہ مستقبل میں ہو، اس لیے میں نے قدیم کتابوں سے تمام قبروں کی تفصیل نقل کردی ہے۔ اب کربلا اور شاہ مرداں کے احاطوں میں بہت کم جگہ ہے۔ جب کہ زیارت کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے بہت سی قبروں کو ہموار کردیا گیا ہے اس لیے میری درخواست ہے کہ انجمنِ حیدری یہ تجویز منظور کرے کہ آئندہ کسی بھی شخص کو، خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو، یہاں دفن نہیں کیا جائے گا۔ ۱۹۸۵ء میں جسٹس مرتضیٰ فضل علی کو کربلا میں دفن کیا گیا تھا۔ اُن کی قبر پر بہت بڑا لیکن بہت معمولی چبوترا بنا کر کافی جگہ گھیر لی گئی۔ اگر اس طرح کے بیس پچیس چبوترے اور بن گئے تو پھر وہی ہوگا کہ چلنے کی جگہ باقی نہیں رہے گی، پھر قبریں ہموار کی جائیں گی اور پھر اہلِ قبر کی بے حرمتی ہوگی۔

میں آخر میں اردو اکادمی کی تحقیقی وطباعتی کمیٹی کے اراکین اور خاص طور سے اکادمی کے سکریٹری جناب شریف الحسن نقوی کا شکر گزار ہوں، جنھوں نے میرے کام میں غیر معمولی دلچسپی لی اور کتاب لکھنے کے لیے سہولتیں فراہم کیں۔ میں جسٹس واس دیو مصرا، جناب حسنین علی جعفری، آغا مرزا صاحب، امیر علی صاحب، سید علمدار رضوی صاحب

نجم الحسنین کاظمی صاحب اور الیاس صاحب کا شکر گزار ہوں، جنھوں نے بیش قیمت اطلاعات فراہم کیں۔ پچھلے تیرہ چودہ برسوں میں جن بزرگوں نے میری غیر معمولی سرپرستی فرمائی ہے اور قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی کی ہے۔ ان میں میرے محترم اور کرم فرما کرنل بشیر حسین زیدی کا نام سرِفہرست ہے۔ انھوں نے نہ صرف درگاہ شاہ مرداں کے سلسلے میں مجھے بہت اہم معلومات فراہم کیں بلکہ میری درخواست پر اس کتاب کا پیش لفظ بھی تحریر فرمایا۔ میں زیدی صاحب کے شکریے کے لیے الفاظ کہاں سے لاؤں۔ خدا انھیں ہمیشہ سلامت رکھے۔

(خلیق انجم)

کاظمین شریف
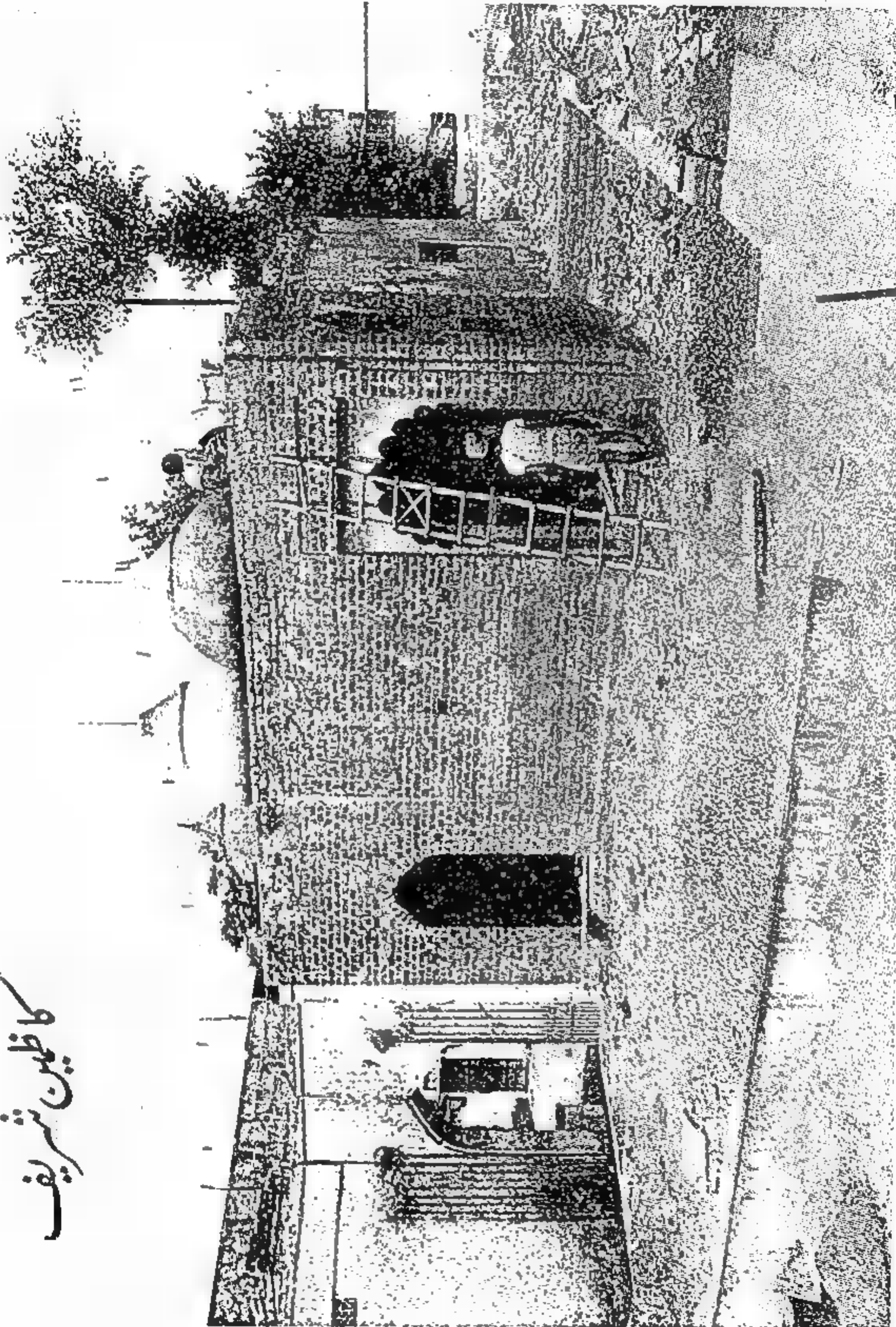
شاہ مرداں کا محل وقوع

پرانی دلّی سے مہرولی کی طرف جو سڑک جاتی ہے، اُس کا نام مہرولی روڈ تھا۔ کچھ سال پہلے اس کا نام بدل کر اروند مارگ کر دیا گیا ہے۔ اروند مارگ پر جور باغ کالونی کے بالکل سامنے صفدر جنگ کا مقبرہ ہے۔ مقبرے کا صدر دروازہ مشرق رویہ ہے۔ اس کے شمال مشرق میں موضع جور باغ اور جنوب مشرق میں موضع خیر پور تھا۔ جور باغ بہت پرانی آبادی ہے۔ عبد اللہ نے تاریخ داؤدی میں لکھا ہے کہ "سلطان بہلول لودی کا ۸۹۴ھ (مطابق ۱۴۸۸-۸۹ء) سکیت (مہرولی کے پاس ایک موضع تھا اور اب اس نام کی کالونی ہے) میں انتقال ہو گیا۔ دلّی کے متصل، اس مقبرے میں جس کی عمارت شاندار ہے، مدفون ہوا"[1]

مرزا سنگین بیگ نے ۱۸۲۰ء میں "سیر المنازل" میں جور باغ کا ذکر کیا ہے[2]

اگر ہم صفدر جنگ کے مقبرے سے اروند مارگ پر مہرولی کی طرف چلیں تو بہت تھوڑے فاصلے پر بائیں طرف ایک سڑک مڑتی ہے۔ ۱۹۵۵ء تک اس سڑک کا نام کربلا روڈ تھا۔ اب کالونی میں اندر جا کر ایک سڑک کا نام کربلا روڈ کر دیا گیا ہے۔ اور اس سڑک کا نام بدل کر جور باغ مارگ رکھ دیا گیا ہے۔ جور باغ مارگ پر چند قدم چلیں تو دائیں طرف چونے اور پتھر کی بنی ہوئی ایک چار دیواری نظر آتی ہے۔ یہی کربلا ہے۔

جور باغ (موضع خیر پور)

اس علاقے کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ تغلقوں کے زمانے کی دلّی تغلق آباد تھی جسے تغلق

خاندان کے پہلے بادشاہ غیاث الدین تغلق نے آباد کیا تھا۔اس شہر کے قلعے کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ تغلق خاندان کے دوسرے بادشاہ محمد عادل تغلق شاہ نے ایک قلعہ اور قصر ہزار ستون کی عمارت بنائی اور اس عمارت کا نام عادل آباد رکھا۔ فیروزشاہ تغلق نے تغلق آباد کے مغرب اور جنوب مغرب کی طرف عمارتیں بنائیں اور اُس کے عہد کے دوسرے لوگوں نے بھی کچھ عمارتیں تعمیر کیں۔ فیروز شاہ کے وزیر جونانشہ خان جہاں خاں نے قلعۂ تغلق آباد کے مغرب میں وہ مسجد بنائی جسے ہم کھڑکی مسجد کہتے ہیں۔ اس مسجد سے تھوڑے فاصلے پر فیروز شاہ نے بدیع منزل یا بجے منڈل نامی وہ عمارت بنائی جس کے کھنڈر ابھی تک موجود ہیں۔ اس عمارت کے قریب خانِ جہاں خاں کی بنائی ہوئی ایک اور مسجد ہے۔ غرض یہ ہے کہ فیروزشاہ تغلق کے زمانے میں اس علاقے میں عمارتیں بنی شروع ہوگئی تھیں، جہاں آج کل شاہ مرداں ہے۔

میرا خیال ہے کہ موجودہ دلّی میں جو علاقہ صفدر جنگ اور بستی نظام الدین کے درمیان ہے اُسے فیروزشاہ کے عہد سے اہمیت حاصل ہونی شروع ہوئی ہے۔ اس علاقے کے مشرقی سرے پر حضرت نظام الدین اولیا کا مزار اور مغربی سرے پر حضرت نظام الدین کے خلیفہ حضرت روشن چراغ دہلی کی درگاہ ہے۔ فیروز شاہ تغلق کو ان بزرگوں سے بہت عقیدت تھی۔ وہ حضرت روشن چراغ دہلی کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا۔ فیروزشاہ نے حضرت کی زندگی ہی میں درگاہ کا گنبد بنوایا تھا اور حضرت کی وفات کے بارہ سال بعد درگاہ کا صدر دروازہ بھی فیروزشاہ تغلق ہی نے بنوایا۔ درگاہ روشن چراغ دہلی فیروز شاہ ہی کے زمانے میں بنی تھی۔ حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ کے بارے میں خود فیروزشاہ نے لکھا ہے کہ "(ہم نے) سلطان المشائخ حضرت نظام الحق والدین محبوب الٰہی قدس اللہ سرہ العزیز کے مقبرے کی جالیاں اور گنبد کے دروازے صندل کے بنوائے اور سونے کی زنجیروں سے سنہری قندیلیں گنبد کے چاروں کونوں پر لٹکائیں اور جماعت خانۂ

بڑا گنبد
مقبرہ صفدر جنگ
لال بنگلہ
درگاہ نظام الدین
امیر خسرو کا مقبرہ
خان خاناں کا مقبرہ
ہمایوں کا مقبرہ
بارہ پلا
مقبرہ مبارک شاہ
مقبرہ دریا خاں
لالہ لاجپت رائے چوک
بشکریہ آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا
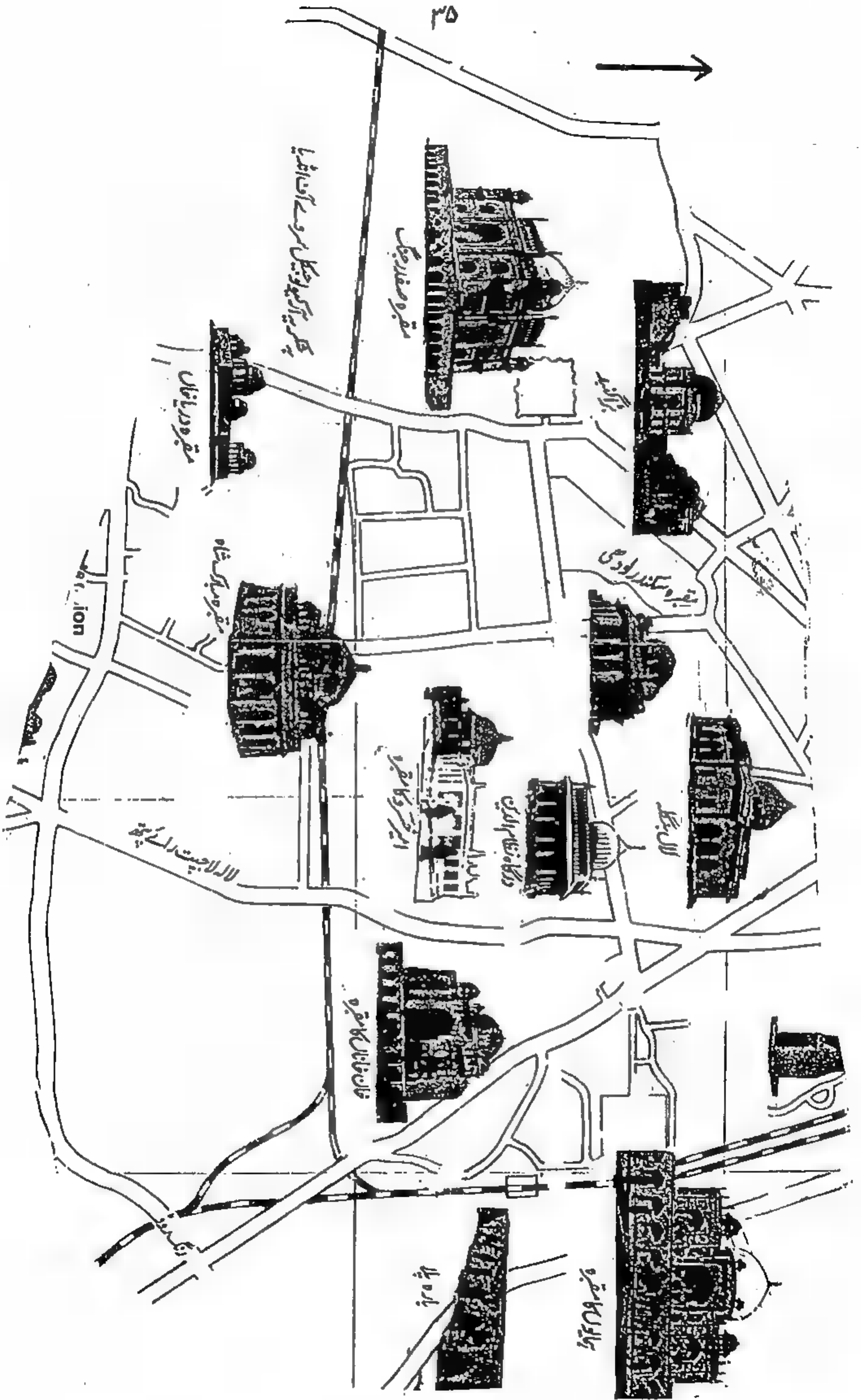
جدید، جو اس سے پہلے وہاں نہیں تھا، تعمیر کیا۔[۲]

اس گفتگو کا پنجوڑ یہ ہے کہ فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں اس علاقے میں جو مقبرہ صفدر جنگ اور درگاہ حضرت نظام الدین کے درمیان ہے، عمارتوں کی تعمیر شروع ہوئی۔ سید خاندان کے دوسرے بادشاہ مبارک شاہ ثانی نے جمنا کے کنارے شہر آباد کیا۔ جس کا نام مبارک پور رکھا۔[۳] ابھی یہ شہر مکمل نہیں ہوا تھا کہ ایک دن بادشاہ شہر کی تعمیر کا حال دیکھنے کے لیے شہر میں داخل ہوا۔ اُس کے وزیر سرور الملک نے سازش کر کے اپنے ایک آدمی سے اُسے قتل کرا دیا۔ میرا خیال ہے مبارک پور جمنا کے کنارے غیاث پور (موجودہ بستی حضرت نظام الدین) کے آس پاس تھا۔ مبارک شاہ ثانی کی لاش موضع بی بی پور میں دفن کی گئی۔ بعد میں اس بادشاہ کی قبر پر شاندار مقبرہ بنا دیا گیا۔ یہاں آبادی ہوگئی اور چوں کہ اس مقبرے کے چاروں طرف فصیل نما احاطہ تھا، اس لیے اس علاقے کو کوٹلہ مبارک شاہ کہا جانے لگا۔

سید خاندان کے بعد لودی خاندان اقتدار میں آیا۔ جسے پٹھان خاندان بھی کہا جاتا ہے پٹھانوں کی تقریباً تمام عمارتیں اسی علاقے میں ہیں۔ بستی نظام الدین سے لے کر صفدر جنگ تک آج بھی بہت سے مقبرے موجود ہیں۔ ان میں ایسے کئی گنبد ہیں، جن میں اب قبریں نہیں ہیں۔ جن مقبروں میں قبریں ہیں اُن میں سے کچھ کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کس کی ہیں۔ اور کچھ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ لودیوں کے مقبروں کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ لودی مقبروں اور عمارتوں پر قرآن شریف کی آیتیں تو کندہ کراتے لیکن صاحبِ مقبرہ کے نام کے کتبے نہیں لگاتے تھے۔ اس لیے بہت سے مقبروں کے بارے میں یہ نہیں معلوم کہ اُن میں کن کی قبریں ہیں۔ بہر حال اس علاقے میں سکندر لودی کے عہد میں (۹۰۰ ھ مطابق ۱۴۹۴-۹۵ ء) بنائے گئے۔ کالے خاں، چھوٹے خاں اور بڑے خاں کے مقبرے ہیں۔ ان تینوں مقبروں کو ملا کر سر سید نے تبرجہ کہا ہے۔ کوٹلہ مبارک پور

کے پاس موٹھ کی مسجد ہے۔ جو سکندر شاہ ثانی ابن بہلول لودی کے عہد میں تعمیر کی گئی سلطان سکندر لودی سلطان بہلول لودی کے مقبرے، بڑا گنبد اور اس کے ساتھ ایک شاندار مسجد ہے، مختصر یہ کہ دہلی کا یہ وہ علاقہ ہے جس کے مغربی سرے پر حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی درگاہ یا صفدر جنگ کا مقبرہ اور مشرقی سرے پر حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ یا ہمایوں کا مقبرہ ہے۔ فیروز شاہ تغلق اور اس عہد کے امرا نے دلی کے اس علاقے میں تعمیرات کیں۔ سید خاندان کے بادشاہ مبارک شاہ نے اسی علاقے میں یا علاقے کے جنوب مشرقی سرے پر جمنا کے قریب مبارک آباد نام کا شہر آباد کیا۔ مبارک شاہ کی وفات کی وجہ سے آباد ہونے سے پہلے ہی یہ شہر برباد ہو گیا۔ مبارک شاہ کا مقبرہ اسی علاقے میں بنا اور پھر لودی خاندان کے بادشاہوں نے اس علاقے میں بہت تعمیرات کیں جن کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ اسی اہم اور تاریخی علاقے میں کربلا اور شاہ مرداں واقع ہیں۔ شاہ مرداں کو علی گنج اور علی جی بھی کہا جاتا ہے۔

چوں کہ یہاں حضرت علیؓ کا نقشِ قدم ہے۔ اسی رعایت سے اس جگہ کو شاہ مرداں کہا جاتا ہے۔ اس نقشِ قدم کا ذکر کرتے ہوئے سر سیدؒ نے لکھا ہے: نواب قدسیہ صاحب الزمانی کے پاس ۱۱۳۷ھ مطابق ۱۷۲۴ء میں ایک پتھر آیا۔ جس پر نقشِ قدم تھا اور یہ بیان کیا گیا کہ یہ حضرت علیؓ کے قدم کا نقش ہے۔ نواب قدسیہ نے اس نقشِ قدم کو اس مقام پر سنگِ مرمر کے حوض میں جما دیا اور اس حوض کے نیچے سنگ مرمر کا فرش کرا کر ممبر بنایا اور اس کے کنارے پر یہ شعر کندہ کر دیا۔ شعر:

برزمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

۱۱۳۷ ہجری[1]

آثار الصنادید کے پہلے، دوسرے اور بعد کے اڈیشنوں میں یہ سنہ ۱۱۳۷ھ ہے

جب کہ "واقعات دارالحکومت دہلی" اور مسلم اور سید و آثار قدیمہ، جلد دوم میں یہ سنہ ۱۱۷۳ھ ہے اس لیے یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ کیوں کہ اب وہ حوض باقی ہے اور نہ وہ کتبہ۔ لیکن چوں کہ دو مصنفین نے ۱۱۷۳ھ لکھا ہے، اس لیے گمان ہوتا ہے کہ سر سید کو سہو ہوا۔

پوری کوشش کے باوجود میری سمجھ میں نہیں آیا کہ حوض پر ۱۱۷۳ھ کس نے اور کیوں کندہ کرایا۔ بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حوض کی تعمیر اور اس میں قدم شریف نصب کرنے کا سنہ ہے۔ اور اس پر حافظ شیرازی کا جو فارسی شعر کندہ تھا۔ اُس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اُس سے حوض کی تاریخ تعمیر نکلتی ہوگی، لیکن ایسا نہیں ہے اب سر سید کے بیان پر غور کیا جائے۔ سر سید کا کہنا ہے کہ ۱۱۲۷ھ میں نواب قدسیہ کے پاس قدم شریف آیا۔ یہ سنہ ۱۱۲۷ھ ہو یا ۱۱۷۳ھ دونوں صورتوں میں نواب قدسیہ کا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ نواب قدسیہ، محمد شاہ بادشاہ کی بیوی تھیں، محمد شاہ ۱۱۳۲ھ میں بادشاہ بنا۔ اس سے قبل نواب قدسیہ کی سماجی حیثیت ایسی نہیں تھی کہ وہ اتنا بڑا کام کرتیں۔ انھیں اصل اقتدار اپنے صاحبزادے احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں ملا تھا۔ یعنی ۱۱۶۲ھ سے ۱۱۶۸ھ (مطابق ۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۴ء) تک کا ۔۔۔ ۱۱۷۳ھ میں نواب قدسیہ کے لیے کسی طرح کی تعمیر ممکن نہیں تھی، کیوں کہ ۱۱۶۸ھ میں احمد شاہ اور نواب قدسیہ، دونوں کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اور عین ممکن ہے کہ ۱۱۷۳ھ سے قبل ہی اُن کا انتقال ہوگیا ہو۔ علی گنج کے شمالی دروازے پر جو کتبہ نصب تھا اور جس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ اس پر لکھا تھا کہ نواب قدسیہ نے شاہ مرداں کی فصیل اور دوسری عمارتیں ۱۱۶۲ھ میں تعمیر کرائیں۔ اس کا مطلب ہے کہ قدم شریف نواب قدسیہ نے نصب نہیں کیا، ہاں انھوں نے یہاں بہت اہم تعمیرات ضرور کی تھیں، جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔ کچھ ایسے شواہد موجود ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مقام پر قدم شریف نواب قدسیہ کی ولادت سے بھی بہت پہلے موجود تھا۔

زمانہ بیگ مہابت خاں خانخاناں سپہ سالار اس وقت سے جہانگیر کی ملازمت میں تھا، جب وہ شاہزادہ تھا۔ جہانگیر کے تخت نشین ہوتے ہی اُسے تین ہزاری منصب ملا۔ جہانگیر کے بارھویں سال جلوس میں وہ کابل کا صوبے دار مقرر ہوا۔ مہابت خاں بہت بہادر اور جری انسان تھا۔ اُس کی زندگی کا بڑا حصہ میدانِ جنگ میں گزرا۔ خاص طور سے دکن میں اس نے زبردست معرکہ آرائیاں کیں۔ جہانگیر کی وفات کے بعد شاہجہاں نے مہابت خاں کو "خانخاناں سپہ سالار" کا خطاب دیا۔ سات ہزاری ذات اور سات ہزار سوار کا منصب چار لاکھ روپے نقد انعام اور اجمیر کی صوبے داری مرحمت فرمائی۔ اس سال مہابت خاں کو دکن کا صوبہ دار بنا دیا گیا۔ مہابت خاں بہت مخیر تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک کروڑ روپیہ اس کی سالانہ آمدنی تھی۔ سب خرچ کر ڈالتا تھا۔ خود بہت سادہ زندگی گزارتا تھا۔ اس کی پوشاک کی قیمت پانچ روپے سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ شروع میں کسی مذہب کا پابند نہ تھا۔ آخر میں امامیہ مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ائمہ معصومین کے نام قیمتی جواہر پہ کھدوا کر اپنے گلے میں باندھتا تھا۔ مہابت خاں کا انتقال ۱۰۴۴ھ (مطابق ۱۶۳۴ء — ۱۶۳۵ء) میں ہوا۔ مہابت خاں نے وصیت کی تھی کہ میرے تابوت کو دلّی لے جا کر شاہ مرداں کے قدموں کے نیچے دفن کریں ۔ ۔ ۔ راجپوت اس کی وصیت کے مطابق اس کو برہان پور سے دلّی تک اس طریقے سے لے گئے، جیسے اس کی زندگی میں مجرا و سلام کیا کرتے تھے[1]۔ اس کا مطلب ہے کہ ۱۶۳۴ء (سنہ وفاتِ مہابت خاں) سے قبل درگاہ شاہ مرداں، دلّی میں موجود تھی اور درگاہ میں قدم شریف بھی موجود تھا۔

ایک اور ایسی شہادت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ مرداں غالباً دسویں صدی ہجری میں موجود تھا۔ "سیر المنازل" کے مصنف مرزا سنگین بیگ نے شاہ مرداں کے دروازے کے باہر ایک ایسی قبر کی نشان دہی کی ہے، جس پر سنگ باسی کی لوح پر خطِ ثلث میں ایک شعر کندہ تھا۔ جس کا دوسرا مصرعہ ہے: حشر معصوم با امام سوم باد

۹۵۰

کربلا

کربلا کی جاے وقوع اور اُس کے دروازے اور احاطے کی دیوار کے بارے میں بشیرالدین احمد نے پوری تفصیل بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: "صفدر جنگ کے مقبرے سے ذرا آگے بڑھ کے بائیں طرف ایک کچا رستہ پھٹ جاتا ہے۔ اس رستے پر داہنی طرف سرِراہ ایک بڑا دروازہ اور ایک وسیع ٹوٹا پھوٹا احاطہ ملتا ہے۔ یہی کربلا ہے اور یہیں بادشاہی زمانے کے ایک نامی گرامی رئیس کپتان اشرف بیگ خاں نے ایک پختہ چار دیواری کھچوا دی ہے، جو کربلا کہلاتی ہے۔ تمام شہر کے تعزیے یہیں ٹھنڈے کیے جاتے ہیں اور بڑا ہجوم اور میلا ہوتا ہے۔ اس کمپونڈ میں بہت سی قبریں ہیں۔ کہتے ہیں کہ اشرف بیگ خاں کی قبر بھی یہیں ہے۔ لیکن مجھ کو تو ملی نہیں۔ کمپونڈ کی دیوار ۷½ فٹ بلند ہے۔ اس کا صدر دروازہ سرِراہ شمال کی طرف ہے، جو ۱۶ فٹ ۳ انچ اونچا اور ۱۴ فٹ چوڑا ہے۔ اس کے دونوں پھاٹکوں پر سنگِ سرخ لگا ہوا ہے جس میں کا ایک پاکھا داہنی طرف کا حال میں گر گیا ہے۔ اور اس کے ڈھیم وہیں پڑے ہیں جس میں گول سوراخ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پٹ بھی تھے۔ دروازے کے دو طرفہ کچھ عمارت مثل سہ دری کے تھی، جو گر گئی ہے اوپر بھی کچھ مکانیت ہوگی۔ یہ سب مفقود ہے اب صرف ایک پاکھا کھڑا ہے اور بس۔ دوسرا دروازہ کمپونڈ کے مشرق میں ہے جو صرف کمپونڈ کی دیوار توڑ کر رستہ کر دیا گیا ہے، اس کے دو پاکھے پچ کے ہیں جن کے اوپر ایک گول مٹی تھی۔ ایک پاکھے کی گر گئی۔ ایک کی باقی ہے۔ اس دروازے کی چکلان ۱۴½ فٹ ہے۔"

یہ کہنا مشکل ہے کہ کپتان اشرف بیگ خان نے کربلا بنائی یا کربلا پہلے سے موجود

تھی اور انھوں نے اس کی چار دیواری تعمیر کی۔ مرزا سنگین بیگ نے لکھا ہے "موضع جور باغ کے جنوب میں مرزا اشرف بیگ خاں کی بنائی ہوئی کربلا ہے"[1] سرسید نے لکھا ہے "اس احاطے کے پاس مرزا اشرف بیگ خاں نے ایک پختہ چار دیواری بنوادی ہے اور اس میں تمام شہر کے تعزیے دفن ہوتے ہیں۔ اس احاطے کا نام کربلا ہے"[2] فی الحال میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن میرا خیال ہے کہ کربلا پہلے سے موجود تھی۔ اور اشرف بیگ خاں نے اس کی چار دیواری بنائی تھی۔ ہاں یہ یقین ہے کہ درگاہ شاہ مرداں بہت قدیم ہے۔

آج کل کربلا کی چار دیواری کے تین دروازے ہیں۔ دو جور باغ روڈ پر یعنی کربلا کے شمال میں اور ایک مشرق میں ہے۔ جور باغ روڈ پر کربلا کا پہلا دروازہ دراصل احاطے میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ یہ راستہ غالباً حال ہی میں بنایا گیا ہے۔ اس دروازے کے بائیں پاکھے سے اوپر راجدھانی نرسری کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ اسی پاکھے پر سنگ مرمر کی تختی پر یہ عبارت کندہ ہے۔

۷۸۶
کربلا علی گنج
زیر تولیت
انجمن حیدری (رجسٹرڈ) دہلی
کندہ یونس لال کنواں دہلی

اس سڑک پر تھوڑی دور جاکر کربلا کا صدر دروازہ ملتا ہے جس دروازے کی تفصیل بشیر الدین احمد نے بیان کی ہے وہ گر چکا ہے۔ کچھ عرصے قبل انجمن حیدری نے سیمنٹ کے دو پاکھے بنا کر لوہے کا دروازہ لگا دیا ہے۔ داہنے پاکھے پر سنگ مرمر کی چھوٹی سی تختی لگائی گئی ہے جس پر انگریزی میں یہ عبارت درج ہے۔

کربلا کا دروازہ

786
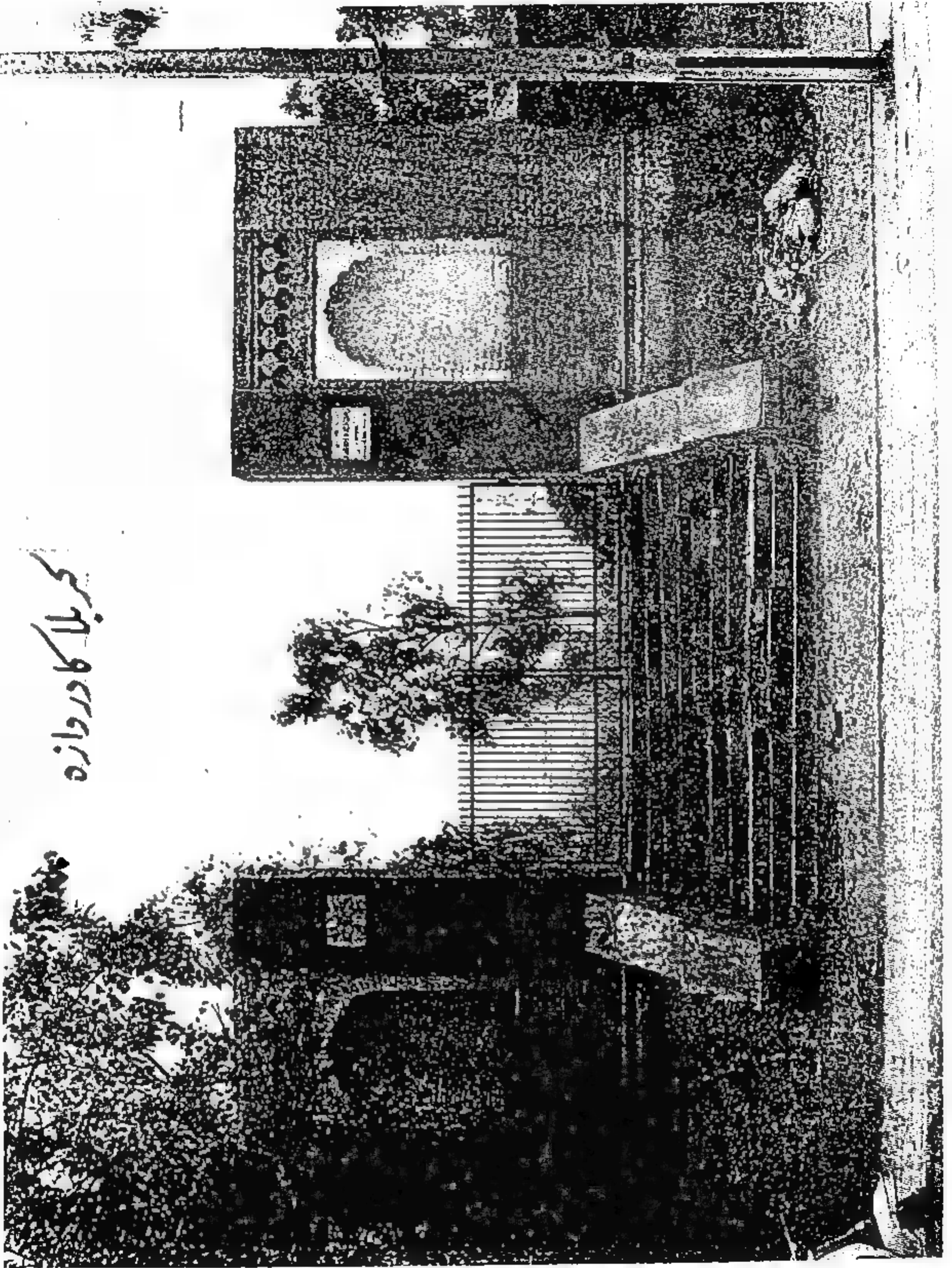
KARBALA ALI GANJ

TRUSTEE

ANJUMAN HAIDERI (REGD) DELHI

بائیں پاکھے پر اس سائز کی سنگ مرمر کی لگی تختی پر اردو میں یہ عبارت درج ہے۔

۷۸۶

کربلا علی گنج

زیر تولیت

انجمن حیدری (رجسٹرڈ) دھلی

لال کنواں، دہلی

کربلا کا مشرقی دروازہ بھی لوہے کی سلاخوں کا ہے۔ داہنے پاکھے پر اردو میں وہی کتبہ لگا ہوا ہے، جو اور دروازوں پر ہے۔ دروازے کے باہر ایک مسجد ہے۔ مسجد اور کربلا کی دیوار کے بیچ میں کافی زمین ہے۔ جس پر ڈی ڈی اے نے اپنی ملکیت کا بورڈ لگا رکھا ہے۔ یہ بورڈ فرنیچر کے انبار میں چھپا ہوا ہے اور اس زمین پر فرنیچر بنانے کا بہت بڑا کارخانہ ہے۔ اس کارخانے سے متصل کربلا کے مشرقی دروازے کے باہر جو مسجد ہے اس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

جور باغ روڈ کی طرف سے کربلا کے پہلے دروازے سے ہم اندر داخل ہوں، تو بائیں طرف دروازے سے راجد بھائی نرسری کا دفتر ہے۔ اس نرسری کے مالک دو بھائی عبدالمعید خاں اور حیدر خاں ہیں۔ یہ نرسری بہت بڑی ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا پودا ہو جو یہاں نہ ملتا ہو۔ دلّی کی چند بہترین نرسریوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ دس بارہ سال قبل میں اپنے ایک عزیز کو کربلا دکھانے گیا تھا۔ اس وقت کربلا مٹی کے ڈھیروں اور جھاڑیوں میں چھپی ہوئی تھی اور آدمی کے لیے چلنا دشوار تھا۔ بعد میں راجد بھائی

نرسری والوں نے پوری کربلا کی صفائی کرائی، راستے بنائے، امرود اور لیمو وغیرہ کے پیڑ لگا کر اسے بہت خوبصورت بنا دیا۔

نامعلوم قبر

احاطے کی مغربی دیوار کے وسط میں ایک چبوترا ہے جس پر چونے کی بنائی ہوئی قبر ہے۔ اس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ چوں کہ قبر کے پاس احاطے کی دیوار میں جھونک دی گئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چار دیواری کے بننے سے قبل یہ قبر یہاں موجود تھی۔ راجدھانی نرسری کے مالک عبدالمعید خاں کا بیان ہے کہ یہ قبر بہت شکستہ حالت میں تھی، انھوں نے حال ہی میں اس کی مرمت کرائی ہے۔

ماہ خانم کی قبر

کربلا کے صدر دروازے سے ہم کربلا میں داخل ہوں تو بالکل سامنے ساڑھے تین فٹ اونچا چبوترا ہے۔ یہ چبوترا چوہتر فٹ لمبا اور بیالیس فٹ چوڑا ہے۔ اس چبوترے کے بیچوں بیچ ایک اور چبوترا ہے۔ چودہ فٹ چار انچ لمبا اور چودہ فٹ چار انچ چوڑا۔ اس چبوترے سے ملا ایک چھپر کھٹی گنبد ہے۔ اس گنبد کا راستہ جنوب کی طرف سے ہے۔ دروازہ بہت چھوٹا اور چھے فٹ اونچا اور تین فٹ چوڑا ہے۔ پہلے ایک کمرہ ہے جو اٹھارہ فٹ لمبا اور ساڑھے گیارہ فٹ چوڑا ہے۔ چھپر کھٹی گنبد

ماہِ خانم کی قبر
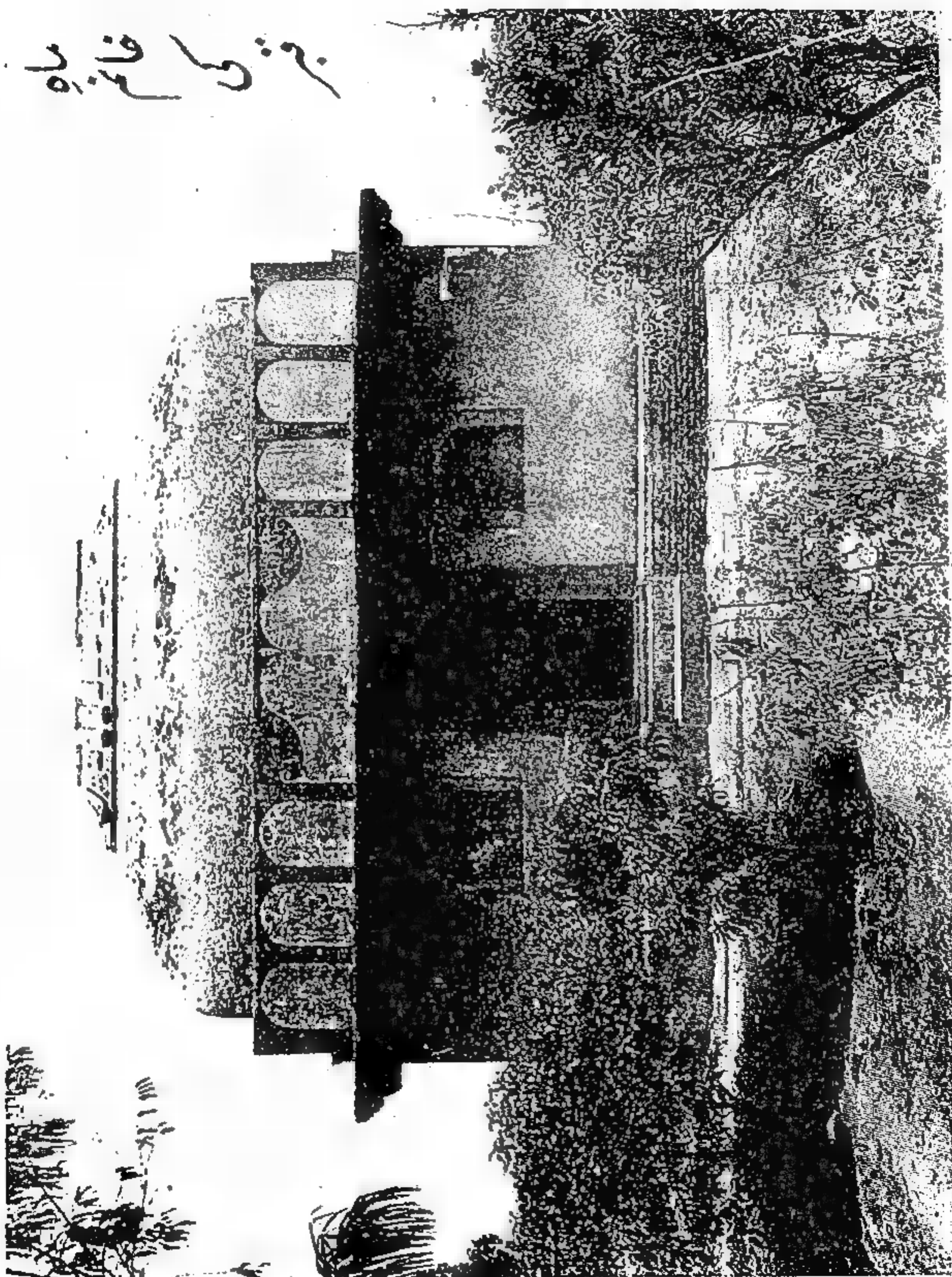
والے اس کمرے کی لداؤ کی چھت ہے۔ اس کمرے کے مشرق اور مغرب میں بھی دو دروازے ہیں جنھیں اب جالیاں لگا کر بند کر دیا گیا۔ اس کمرے سے جنوب کی طرف چھے فٹ اونچا اور تین فٹ چوڑا دروازہ ہے۔ یہ دروازہ تہ خانے کا ہے۔ تہ خانہ میں جانے کے لیے ہمیں چودہ سیڑھیاں اترنی پڑتی ہیں۔ نیچے ایک حجرہ ہے ساڑھے تیرہ فٹ مربع۔ روشنی کے لیے چھت میں پانچ روشن دان ہیں۔ ان کے علاوہ دو بڑے بڑے روشن دان زمین سے دو فٹ کی بلندی پر ہیں۔ حجرے کا پورا فرش کسی زمانے میں سنگِ مرمر کا تھا۔ اب صرف تین چار سلیں سنگ مرمر کی ہیں، ایسا لگتا ہے کہ کچھ لوگوں نے سنگِ مرمر کی سلیں نکال لیں۔ بعد میں سیمنٹ سے فرش کی مرمت کرادی گئی ہے۔ سنگِ مرمر کی سلیں ستّر اسّی سال پہلے غائب ہو گئی تھیں۔ کیوں کہ بشیرالدین احمد نے ۱۹۱۹ء میں لکھا ہے کہ "فرش میں اس کے سنگ مرمر کی سلیں بچھی ہوئی ہیں، جن میں کی بعض بعض سلیں ضائع بھی ہو گئی ہیں۔ چھت مربع لداؤ کی ہے، جس میں رنگ کا کام کیا ہوا تھا، جو کچھ کچھ باقی ہے۔" اب چھت پر کسی بھی طرح کے رنگ کا نشان نہیں ہے۔ چاروں طرف اور چھت پر سفیدی کر دی گئی ہے۔

اس حجرے کے وسط میں ایک قبر ہے جس کا تعویز سنگِ مرمر کا ہے۔ تعویز کے شمالی کنارے کا کچھ حصّہ ٹوٹ گیا۔ غالباً کسی نے سنگِ مرمر کا یہ تعویز نکالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوا۔ یہ تعویز ساڑھے چھے فٹ لمبا، دو فٹ چوڑا اور دس انچ اونچا ہے۔ اس تعویز کے نچلے حصّے پر چاروں طرف انتہائی خوبصورت خط میں آیۃ الکرسی منبت منقش، یعنی ابھری ہوئی، کندہ ہے۔ تعویز کے اوپر شمالی کی طرف بسم اللہ اور جنوب کی طرف کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت لکھا ہوا۔ تعویز کے عرض میں قطعۂ تاریخ خطِ نستعلیق میں کندہ ہے۔ دو شعر کا قطعہ ہے:

آفتابِ برجِ عصمت ماہ خانم از قضا   در نقابِ ابرِ رحمت کرد روے دل بحق

کلکِ قدرت سالِ ایں تاریخ بر لوحِ مزار　　زد رقم "شد مریم دورِ زماں واصلِ بحق"

۱۱۳۹ھ

یہ اشعار سنگِ مرمر میں منبت کیے گئے ہیں۔ دلّی میں بہت بڑی تعداد میں کتبے ہیں لیکن مجھے اس سے زیادہ خوش نما اور کوئی کتبہ نظر نہیں آیا۔ یہ منبت کاری اور کتبہ نگاری کے فن کی معراج ہے۔ بشیرالدین احمد نے اس تعویز پر کندہ کتبے کی تعریف ان الفاظ کو میں کی ہے:- "اس تعویز کے گرد آیۃ الکرسی کچھ عجیب نزاکت سے منبت منقوش ہے کہ خط اس کا سرمۂ نظر و باعثِ تجلیِ بصر ہے۔ زبان اس کی تعریف سے قاصر ہے اور دل اس کے دیکھنے سے سیر نہیں ہوتا۔ جب میں اس مزار کی زیارت کے لیے حاضر ہوا تو بہت دیر تک تصویر پر کندہ یہ عبارت دیکھتا رہا تھا۔ حجرے سے باہر آنے کے بعد ایک بار پھر واپس گیا اور کتبے کو دیکھتا رہا۔ اُس وقت تک میں نے بشیرالدین احمد کے تاثرات نہیں پڑھے تھے۔ اب میں بشیر صاحب کے اس بیان کی تائید کرتا ہوں کہ یہ کتبہ دیکھنے سے دل نہیں بھرتا۔

کچھ دن پہلے ایک انگریزی اخبار میں کربلا پر مضمون چھپا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ یہ قبر ماہ خانم کی ہے۔ بعد میں کسی اور کا خط چھپا کہ یہ قبر نواب قدسیہ کی ہے۔ اسی سلسلے میں دو تین خط اور چھپے۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے نواب قدسیہ کا مزار کیسے کہا جا سکتا ہے۔ جب کہ مزار کے تعویز پر کندہ قطعۂ تاریخ میں صاحبِ مزار کا نام "ماہ خانم" بالکل صاف ہے "ماہ خانم" نواب قدسیہ کے نام کا حصہ نہیں ہے۔ یہ یقیناً کسی ایسی بزرگ خاتون کی قبر ہے۔ جو شیعہ عقائد کی تھیں اور کسی بڑے خاندان کی تھیں۔ ممکن ہے کہ مرحومہ مغل خاندان کی ہوں اور یہ بھی امکان ہے کہ وہ اشرف بیگ خاں کی بیوی ہوں۔ بہر حال اُن کے بارے میں ابھی تحقیق کی ضرورت ہے۔

اشرف بیگ خاں کی قبر

اشرف بیگ خاں مرحوم وہی ہیں، جنھوں نے کربلا کے چاروں طرف چاردیواری کھچوائی تھی۔ ماہ خانم کی قبر کے شرقی دروازے کے سامنے بہ قول بشیرالدین احمد" ایک پختہ چبوترا چھیالیس فٹ لمبا اور اکتالیس چوڑا اور ایک فٹ نو انچ اونچا ہے۔ یہ چبوترا اس زمانے کے رواج کے موافق مسجد نما ہے یعنی مغرب کی دیوار مع تین دیوار دو زطاقوں کے اور شمال جنوب کے بازو کھڑے ہیں۔ جسے حصۂ مسجد کہنا چاہیے، اس کے محاذ میں چبوترے پر دو چونے گچی کی بہت پرانی قبریں ہیں۔ دونوں قبریں شکستہ حالت میں ہیں ان میں ایک قبر کے گرد گچ میں آیۃ الکرسی کندہ ہے اور یہی ذرا ٹھیک بھی ہے۔ ہو نہ ہو اشرف بیگ صاحب کی قبر یہی ہوگی۔ کیوں کہ اور کوئی ممیز قبر اس احاطے کے اندر نہیں ہے[1]۔

اب یہ چبوترا ہے اور نہ قبریں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ قبروں کو کب شہید کیا گیا اور چبوترہ کب ڈھایا گیا۔

جسٹس مرتضیٰ فضل علی کی قبر

بشیرالدین احمد نے اشرف بیگ خاں کی قبر کا جو محل وقوع بتایا ہے۔ تقریباً اُس جگہ اب جسٹس مرتضیٰ فضل علی کی قبر ہے۔ فضل علی صاحب سپریم کورٹ کے جج تھے۔ دُبلے پتلے مہذب اور بہت ذہین انسان تھے۔ ان کی قبر کے کتبے پر انگریزی میں لکھا ہوا ہے

جو ہندوستان میں اسلامی روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے طبیعت پر گراں گزرتا ہے اسے یہ کتبہ اردو میں لکھوا دیا جائے تو بہتر ہوگا۔

۷۸۶

JUSTICE MURTAZA FAZAL ALI

Judge, Supreme Court of India
s/o Sir Syed Fazal Ali
20 Dec., 1920 - 20th Aug., 1985

نجف علی خاں کی قبر

کربلا کے مشرقی دروازے کے اندر پندرہ گز کے فاصلے پر ایک قبر تھی۔ اس کی تفصیل "مسلم اور ہندو آثار قدیمہ کی فہرست" (جلد دوم ص ص ۱۸۸-۱۸۹) میں بیان کی گئی ہے۔ فہرست کے مطابق اس قبر پر کتبہ تھا۔

هوالعزیز

از مشہدِ مقدس مرزا محمد آمد
بالاتفاق سید سادات خانِ ذیشان
جد کلان من بود کو چک نبیرہ او
در بلدۂ بنارس منجملۂ رئیساں
بر بود سوے جنت روح نبیرائش را
پیکِ اجل ز دہلی با حالتِ پریشاں

خود بے سر کفالت گفتم عزیز سالش
ای آہ والدِ من مرزا نجف علی خاں ۱۲۷۰ہجری

کربلا کے احاطے میں اور بھی بہت سی قبریں ہیں۔ مگر اُن میں بیشتر خستہ حالت میں ہیں اور کتبہ کسی قبر پر نہیں ہے۔ میرے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء سے قبل کربلا کے احاطے کی تقریباً تمام قبروں پر کتبے نصب تھے۔ جن میں سے بیشتر سنگ مرمر کے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں جب کربلا کے محافظ نہیں رہے، تو لوگ کتبے اکھاڑ اکھاڑ کر لے گئے۔

موضع علی گنج کی فصیل

اب جہاں شاہ مرداں ہے اس کے چاروں طرف خاصی آبادی تھی اور اس جگہ کو علی گنج یا علی جی یا شاہ مرداں کہتے ہیں۔ علی گنج میلوں میں پھیلا ہوا تھا۔ یہاں پوری بستی تھی، بہت بڑا قبرستان تھا۔ بڑے بڑے کھیت تھے۔ عام طور سے مسلمان آباد تھے لیکن ہندو کاشتکاروں کی بھی خاصی تعداد یہاں رہتی تھی۔

علی گنج کے چاروں طرف ایک بہت مضبوط اور شاندار فصیل تھی۔ اس فصیل کی تفصیلات بشیر الدین احمد نے بیان کی ہیں۔ لکھتے ہیں "علی گنج کی بستی کے گرد ایک بڑی عالی شان فصیل بڑے وسیع حلقے کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ فصیل اسی وضع کی ہے، جیسی کہ شہر دلی یا روشن چراغ دہلی کی ہے۔ اس میں بڑے بڑے دلوار در طاق بنے ہوئے ہیں۔ یہ فصیل سنگ خارا کی ہے۔ ۱۷ فٹ اونچی اور تین فٹ کا کنگورا، اس کے سوا ہے۔ کنگورا ملا کر بیس فٹ کی اونچان ہے۔ فصیل کے اوپر چڑھنے کے دو طرفہ زینے اٹھارہ سیڑھیوں کے ہیں۔ اس شہر پناہ میں تین دروازے ہیں۔ مشرقی جانب کا دروازہ مسمار ہو گیا۔ شمال کی

طرف کا دروازہ وہ ہے جس پر کتبہ ہے ... جنوبی دروازہ بھی بہت عالی شان اور اسی وضع قطع کا ہے۔ جیسا کہ شمالی دروازہ ہے۔ یہ دروازہ بھی بڑا شان دار چوکیون دار اور دو منزلہ ہے۔ آگے ایک دروازہ ہے۔ پیچھے دو سرا بیچ میں گنبد اور دو طرفہ بغلی ہیں دو منزلہ سہ دری ہے۔ اس کی بلندی ستائیس فٹ اور کنگورہ تین فٹ۔ جملہ تیس فٹ ہے۔ چوڑان اٹھارہ فٹ چار انچ۔ اوپر جانے کا ستائیس سیڑھیوں کا زینہ ہے[1]۔

اس فصیل کا صدر دروازہ شمال کی طرف تھا۔ شاہ مرداں کے سلسلے میں اب تک جو کتابیں میری نظر سے گزری ہیں اُن میں "واقعاتِ دارالحکومت دہلی" واحد کتاب ہے جس میں علی گنج کی فصیل اور صدر دروازے کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

علی گنج کا شمالی دروازہ

بشیرالدین احمد نے علی گنج کے شمالی دروازے یا صدر دروازے کے بارے میں لکھا ہے کہ "احمد شاہ (بادشاہ) کے زمانے میں نواب قدسیہ بیگم نے ۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۸ء میں جاوید خاں خواجہ سرا کے اہتمام سے چار دلیواری مجلس خانہ، مسجد اور حوض بنوایا۔ پھر ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء میں عشرت علی خاں نے مجلس خانہ بنوایا۔ یہ دروازہ کنگورا ملا کر تیس فٹ اونچا اور ساڑھے چودہ فٹ چوڑا چوکیوں دار ہے۔ یہ دروازہ دہرا ہے۔ آگے دروازہ پیچھے دروازہ۔ بیچ میں گنبد دار چھت۔ ڈیوڑھی میں دونوں طرف دو منزلہ سہ دریاں ہیں۔ ابھی تک اس کے قدیم چوبی کواڑ بھی سلامت ہیں۔ اس کی پیشانی پر سنگِ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ نہایت خوش خط بہ خطِ نستعلیق لگا ہوا ہے

کتبہ

قال محمد حبیب اللہ انا مدینۃ العلم و علی بابھا

درعہد مبارک احمد شاہ بہادر بادشاہ غازی بموجب ارشاد نواب قدسیہ
حضرت صاحبہ زمانیہ باہتمام نواب بہادر جاوید خاں صاحب بسر براہے
خاکسار لطف علی خاں تعمیر قلعہ و مجلس خانہ و مسجد و حوض در یکسال مرتب
شد ۱۱۶۴ھ“ بشیرالدین احمد نے یہ بھی اطلاع دی ہے کہ
”اس دروازے کے اندر بستی ہے جس میں کئی بڑے بڑے عالی شان دروازوں کے گھر
قدیم زمانے کے بنے ہوئے ہیں، جواب ویران ہیں یا کوئی معمولی شخص رہتے ہیں“۔ شمالی دروازے
پر نصب کتبے ہیں جن میں نواب قدسیہ اور نواب بہادر جاوید کے نام آئے ہیں۔ اُن کا
مختصر سا حال بیان کیا جاتا ہے۔

نواب قدسیہ اور نواب بہادر جاوید خاں

نواب قدسیہ ایک معمولی عورت تھیں۔ کہتے ہیں کہ وہ رقاصہ تھیں، لیکن خوش نصیب
اتنی تھیں کہ انھیں ایک بادشاہ کی بیوی اور دوسرے بادشاہ کی ماں بننے کا فخر حاصل ہے۔
وہ محمد شاہ کی بیوی اور احمد شاہ کی والدہ تھیں۔ انھیں خدا نے یہ توفیق دی تھی کہ علی گنج
اور درگاہ شاہ مرداں کی کئی عمارتیں تعمیر کیں۔ ولیم ٹامس بیل اور بشیرالدین احمد نے لکھا ہے
کہ نواب قدسیہ کا اصل نام ادہم بائی تھا۔ احمد شاہ نے انھیں پہلے نواب بائی اور
پھر بائی جیو صاحبہ، نواب قدسیہ صاحبۃ الزمانی صاحب جیو صاحبہ حضرت قبلہ عالم کے خطابات
اور پنج ہزاری منصب سے نوازا گیا۔ نواب قدسیہ کا بھائی مان خاں رقاص تھا۔ اسے شش
ہزاری منصب پر فائز کیا گیا اور معتقد الدولہ بہادر کے خطاب سے نوازا گیا۔ قلعے میں نواب قدسیہ
کے سب سے بڑے مشیر جاوید خاں تھے۔ یہ عہد محمد شاہ میں خواجہ سرا تھے۔ محمد شاہ کی وفات

کے بعد انھوں نے احمد شاہ بادشاہ اور نواب قدسیہ کے مزاج میں بہت دخل حاصل کر لیا تھا[1]۔
جاوید خاں کو اتنا عروج حاصل ہوا کہ نواب صفدر جنگ جیسا مدبر، دور اندیش اور بہادر انسان بھی چھوٹی چھوٹی سازشوں اور وعدہ خلافیوں پر مجبور ہو گیا۔ مورخین کا خیال ہے کہ اگر نواب قدسیہ اور جاوید خاں کو حکومت میں اتنا دخل نہ ہوتا اور نواب صفدر جنگ کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا پورا موقع مل جاتا تو مغل حکومت کا اتنی تیزی سے زوال نہ ہوتا۔
میر تقی میر نے جاوید خاں کے بارے میں "ذکر میر" میں لکھا ہے کہ "میں نے نواب بہادر (جاوید خاں) کے ہاں ملازمت کی کوشش کی اور مجھے ملازمت مل گئی۔ جاوید خاں کے بخشی فوج اسد خاں نے میرا حال اُن کو بتایا اور گھوڑا اور نوکری معاف کرا دی۔ جاوید خاں میرا بہت لحاظ کرتے تھے اور مجھے اپنے پہلو میں بٹھاتے تھے[2]۔

جاوید خاں کا قتل

صفدر جنگ اور جاوید خاں میں بہت زیادہ اختلافات ہو گئے۔ ایک دن بہ قول نجم الغنی، صفدر جنگ نے "نواب بہادر کو پیام رفع آزردگی کا دے کر اس کے دل کو فی الجملہ اپنی طرف سے مطمئن کر لیا۔ جب اُس کو اس طرح غفلت میں ڈال دیا تو بہ تقریب تصفیہ دعوت کے لیے اس کو اپنے گھر بلایا اور یہ دعوت ۲۷ شوال یوم جمعرات ۱۱۶۵ھ کو ترتیب دی ... بعد فراغت طعام کے وزیر (صفدر جنگ) اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر امورِ ملکی میں مشورے کے بہانے سے خلوت میں گئے۔ بعض نے بہاں

تہ خانہ لکھا ہے. جوں ہی کہ پردہ اٹھایا اور اندر قدم رکھا، وزیر اول دو تین حرف کنائے کے
زبان پر لائے اور پھر نواب بہادر کو بادشاہی معاملات میں دخل دینے پر چند باتیں سختی سے
کہہ کر ابھی بیٹھے بھی نہ تھے کہ رفعِ حاجت کے بہانے سے اپنے زنانے میں چلے گئے. اُس
وقت علی بیگ خاں اور دوسرے مغل اندر آئے اور نواب بہادر کو علی بیگ خاں تپچی
نے، جس کا خطاب شتاب جنگ ہے، چھری سے ہلاک کیا اور سر کاٹ کر دروازے
کے باہر ڈال دیا۔ اس کی سواری کے جلو کے سوار و پیادے یہ حال دیکھ کر بھاگ گئے
اور دو تین دن کے بعد اس کی لاش[۱] متصل روضۂ مقدس شاہ مرداں جہاں اُن کے پنجۂ مبارک
(اور بقولے قدم مبارک) کا نقش تھا[۱]، دفن کرادی گئی[۲]۔" اُن کے مزار کی تفصیل آگے بیان کی
جائے گی۔

جاوید خاں کے قتل سے قلعے میں بہت بڑا ہنگامہ ہوگیا۔ خود احمد شاہ کو سخت
صدمہ پہنچا۔ احمد شاہ نے صفدر جنگ کو برطرف کرکے عماد الملک نواب غازی الدین
خاں کو وزیر مقرر کر دیا۔ عماد الملک نے ۲ جون ۱۷۵۴ء کو معز الدین جہاں دار شاہ
کے بیٹے ابو العادل عزیز الدین محمد عالم گیر ثانی کو تخت پر بٹھادیا۔ عالم گیر ثانی نے
تخت نشین ہوتے ہی احمد شاہ اور نواب قدسیہ کو گرفتاری کا حکم دے دیا۔ یہ
دونوں خاص محل کے ایک باغ میں درختوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔ دونوں کو
قید خانے میں ڈال دیا گیا اور دونوں کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر کر انھیں اندھا کر دیا
گیا۔ اواخر جمادی الثانی ۱۱۶۷ھ کو گرفتار کیا گیا تھا اور ۱۰ شعبان ۱۱۶۷ھ کو دونوں کو اندھا
کیا گیا۔ ۲ شعبان ۱۱۸۸ء کو احمد شاہ کا انتقال ہوگیا۔ یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ نواب قدسیہ
کا کب انتقال ہوا اور انھیں کہاں دفن کیا گیا[۳]۔

نواب قدسیہ کے بارے میں یہ درست ہے کہ اقتدار حاصل کرنے کی ہوس
میں انھوں نے بہت سی نازیبا حرکتیں کیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ بہت

رحم دل اور خدا پرست تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ پچھلے بادشاہوں کی بیویوں اور شہزادیوں کا وہ ہر ممکن خیال رکھتی تھیں۔ غریبوں اور یتیموں میں کھانا اور روپے بہت تقسیم کرتیں۔ انھیں عمارتیں بنانے کا بھی بہت شوق تھا۔ مغلوں کے عہد زوال میں وہ شاہی خاندان کی واحد فرد ہیں جنھوں نے اتنی عمارتیں تعمیر کیں۔ انھوں نے قدسیہ باغ بنایا۔ باغ میں ایک شاندار محل اور اُس سے متصل ایک مسجد بنائی۔ اس محل کے کچھ آثار اب بھی باقی ہیں۔ مسجد البتہ محفوظ ہے۔ نواب قدسیہ نے لال قلعے کے دہلی دروازے کے قریب سنہری مسجد بنائی تھی۔ جو ابھی تک جگمگا رہی ہے۔ شاہ مرداں کی فصیل، مجلس خانہ، مسجد اور حوض بھی اُن کی تعمیرات میں شامل ہیں[1]

بشیر الدین احمد نے لکھا ہے کہ نواب قدسیہ شاعرہ بھی تھیں۔ اور رعنائی تخلص کرتی تھیں اُن کا ایک شعر ہے۔

ہم جانتے تھے آنکھ لگی، دل کو سکھ ہوا
کم بخت کیسی آنکھ لگی، اور دکھ ہوا

رعنائی کا ذکر کسی تذکرے میں میری نظر سے نہیں گزرا۔

تعمیرات

ایک منہدمہ مسجد

علی گنج کی فصیل کے شمالی صدر دروازے کے پاس تین کمر کی ایک مسجد تھی۔ جو شہید کردی گئی۔ اس مسجد کا ذکر غالباً صرف "واقعات دارالحکومت دہلی" میں ملتا ہے بشیر الدین احمد نے لکھا ہے " دروازے (شمالی صدر دروازے) کے پاس ہے۔ تین کمر کی نہایت خوبصورت سفید گنبدوں کی مسجد ہے جن کے کلس بھی صحیح سلامت ہیں۔ اِدھر اُدھر ایک ایک مربع
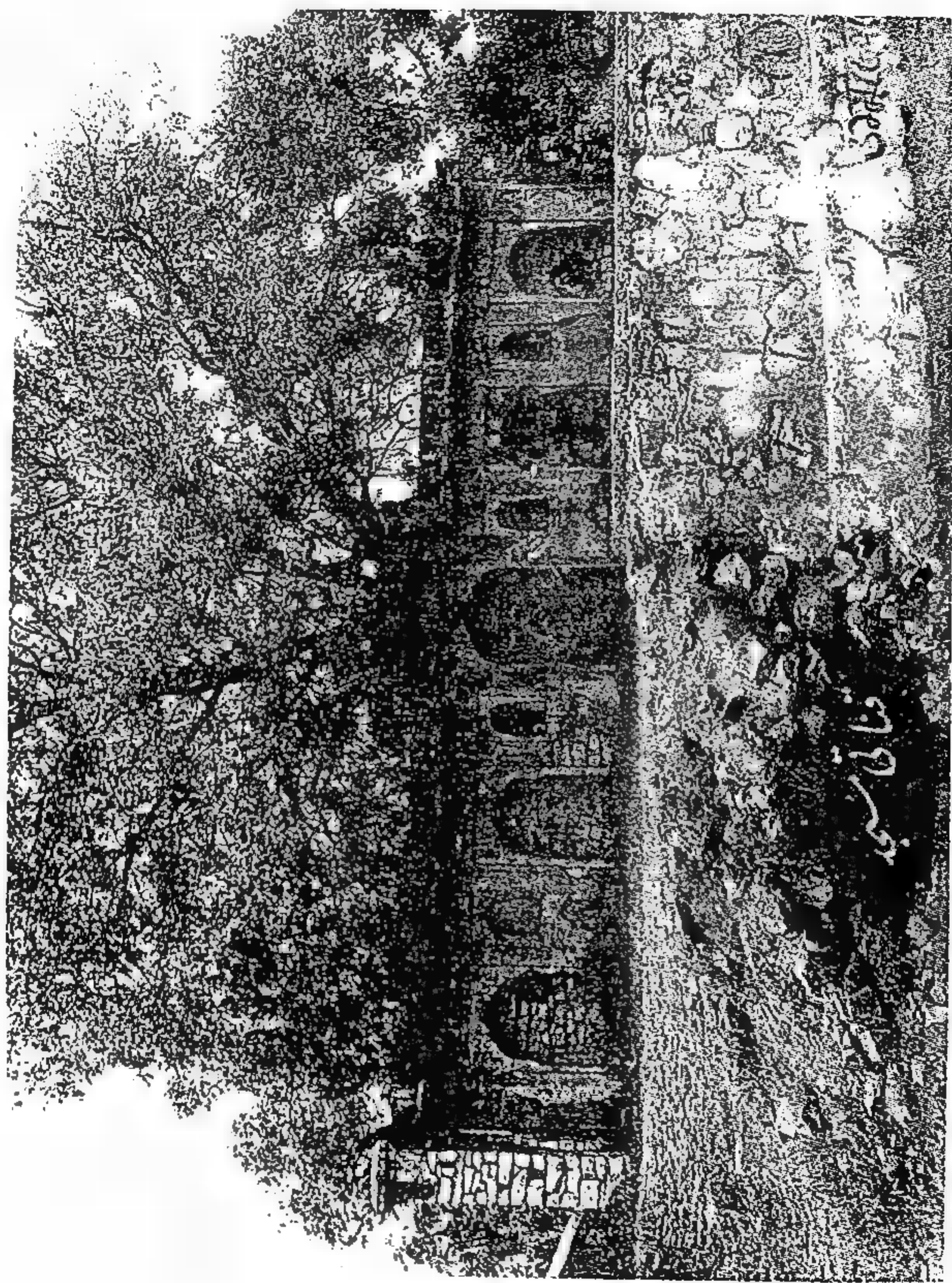
چار دری برجی ہے۔ مسجد کے تین در ہیں۔ بیچ کا در سات فٹ اونچا ساڑھے چار فٹ چوڑا ہے۔
مسجد ۲۵ فٹ × ۱۰ فٹ ہے۔ سامنے لگا اینٹ کے فرش کا چبوترا ۲۷ فٹ × ۱۲ فٹ ہے
صحن میں نیم کا ایک بہت پرانا درخت کھڑا ہے اس کے نیچے کئی خام قبریں ہیں۔ مسجد کے گرد
احاطہ ہے۔"[۱]

قناتی مسجد

جور باغ روڈ پر کربلا سے مشرق کی طرف تھوڑی دور چلیں تو دائیں طرف ایک راستہ
مڑتا ہے۔ اس راستے کے بیچ میں نئی دلی میونسپل کارپوریشن کا ایک چھوٹا اور بے ہنگم سا
پارک ہے۔ غالباً جگہ گھیرنے کے لیے یہ پارک بنایا گیا ہے۔ اس پارک کے دونوں طرف پتلی
پتلی سڑکیں ہیں۔ داہنی سڑک کے کچھ فاصلے پر ایک بالکل خستہ اور تقریباً منہدمہ مسجد ہے،
جسے لوگ قناتی مسجد کہتے ہیں۔ یہ مسجد بیالیس فٹ نو انچ لمبی اور آٹھ فٹ ساڑھے چار
انچ چوڑی ہے۔ اس کا صحن ۳۳ فٹ × ۲۲ فٹ۔ ۹ انچ ہے۔ مسجد کی تعمیر بہت معمولی ہے۔

زینت کی مسجد

سڑک کے بیچ میں محض جگہ گھیرنے کے لیے ڈی ڈی اے نے جو چھوٹا سا پارک بنایا
ہے، وہ پارک جہاں ختم ہوتا ہے، اس کے مشرق میں میدان پڑا ہوا ہے، اس میدان
کے مشرقی حصے میں دہرے دالان والی سہ دری ہے، جو بہت خستہ حالت میں ہے۔

سہ دری کا استر گر چکا ہے اور لکھوری اینٹیں باہر نکل آئی ہیں۔ ان دالانوں کے ستون سنگ باسی
کے بنے ہوئے ہیں اور دوہرے ہیں۔ یہ ادر یہ سہ دری۔ مٹی میں دھنسی ہوئی ہے۔ ستونوں کا بھی
بڑا حصّہ زمین میں دب گیا۔ سہ دری کے بائیں طرف چھت پر چڑھنے کا ایک زینہ ہے جو بہت
شکستہ حالت میں ہے سہ دری لکھوری اینٹ کی بنی ہوئی ہے۔

یہ سہ دری اس مسجد کا حصّہ ہے جو زینت نامی ایک طوائف نے بنائی تھی۔ مرزا سنگین
بیگ اور بشیر الدین احمد نے جس ترتیب سے شاہ مرداں کی عمارتوں کا ذکر کیا ہے، اس سے
اندازہ ہوتا ہے کہ یہی وہ مسجد ہے جسے زینت نے بنایا تھا۔ یہ مسجد شہید کی جا چکی ہے۔ اس
کی تفصیل غالباً صرف "واقعات دارالحکومت دہلی" میں باقی رہ گئی ہے۔ بشیر الدین احمد اس مسجد
کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(شاہ مرداں کے) دروازے کے پاس ہی تین کمر کی[1] نہایت خوبصورت
سفید گنبدوں کی مسجد ہے، جن کے کلس بھی صحیح سلامت ہیں۔ اِدھر اُدھر ایک
ایک مربع چار دری برجی ہے۔ مسجد کے تین در ہیں۔ بیچ کا در سات فٹ
اونچا ساڑھے چار فٹ چوڑا ہے۔ مسجد ۱۰×۲۵ فٹ ہے۔ سامنے گما اینٹ
کے فرش کا چبوترا ۱۲×۲۷ فٹ ہے۔ صحن میں نیم کا ایک بہت پرانا درخت
کھڑا ہے۔ اس کے نیچے کئی خام قبریں ہیں۔ مسجد کے گرد احاطہ ہے۔

مسجد کی جنوبی دیوار سے ملا ہوا ایک کنواں اور اس کے پاس سیڑھی دار
اترنے کی باؤلی منہدم ہے۔ صورت یہ ہے:

کنواں　　　　سیڑھیاں

ابھی وہ لوگ موجود ہیں جنھوں نے یہ مسجد خود دیکھی تھی اور جن کے سامنے اسے شہید

زینت کی مسجد
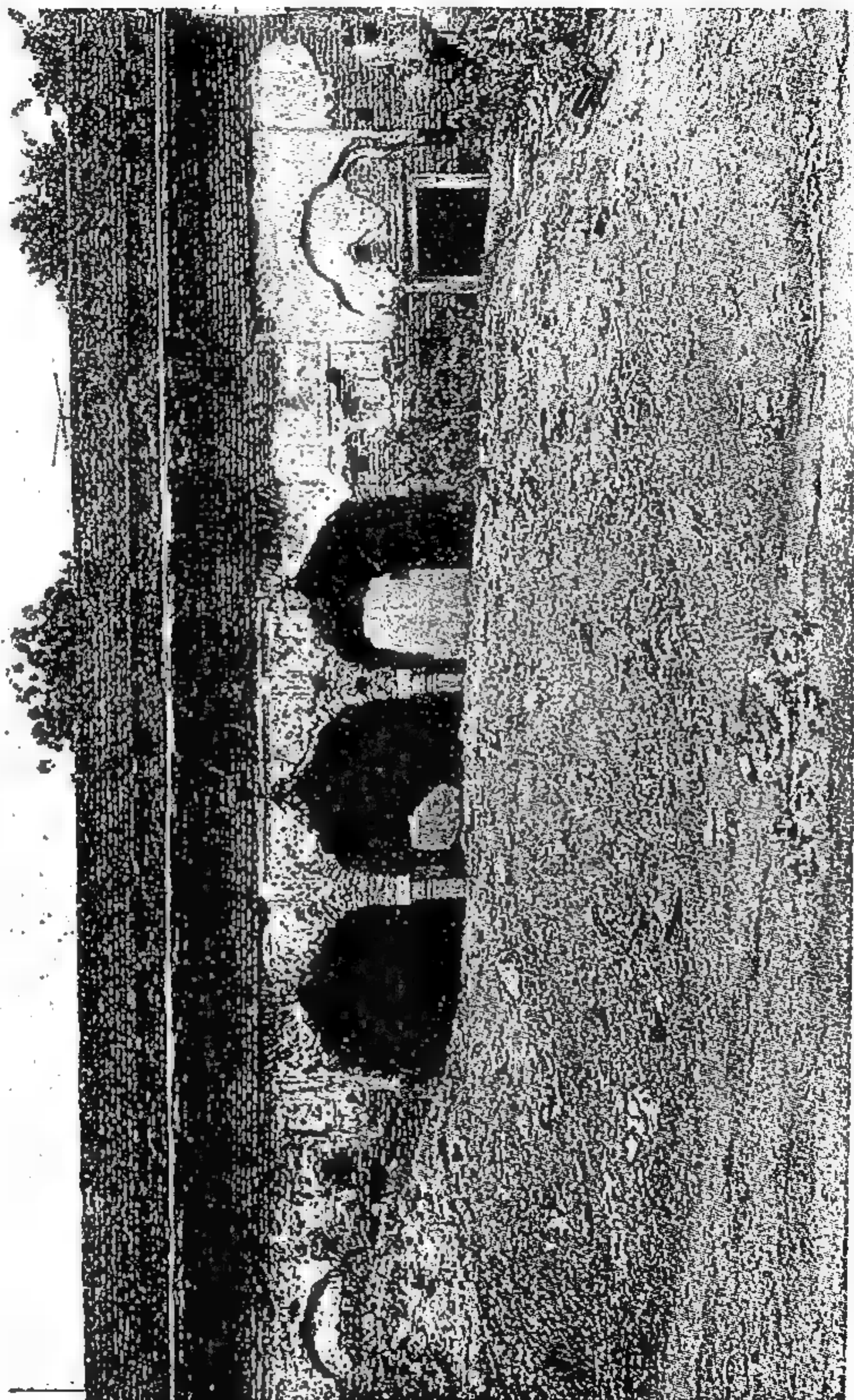
کیا گیا تھا۔

"مسلم اور ہندو آثار قدیمہ کی فہرست، جلد دوم" میں اس مسجد کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

عشرت کی قبر (اس قبر کا محلِ وقوع بھی، اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے) سے شمال کی طرف اسی گز کے فاصلے پر اینٹوں کی بنی ہوئی ایک مسجد ہے جو چھبیس فٹ تین انچ لمبی اور تیرہ فٹ چوڑی ہے۔ اس کے اندر دالان ہیں، جن پر گنبد بنے ہوئے ہیں۔ اندر داخل ہونے کے لیے محرابی دروازے ہیں۔ مسجد کا صحن پینتالیس فٹ لمبا اور اڑتیس فٹ چوڑا ہے۔ مسجد کے جنوبی حصے میں باؤلی ہے۔ جسے زینت نے مسجد کے ساتھ بنوایا تھا۔[۱]

زینت کا مکان

مرزا سنگین بیگ کا بیان ہے کہ شاہ مرداں میں باؤلی کے نزدیک زینت طوائف کے مکان پر سنگِ مرمر کی تختی پر خطِ نستعلیق میں کندہ ہے:

چون بنا گشت این عمارتِ نو
یافت زینت ز پاے حضرتِ شاہ
گفت تاریخ از سرِ بہجت
شد مرتب مکان بلطفِ اللہ

۱۲۱۴

۱۲۱٦ = ۱۲۱۴ + ۲

اوپر جس سہ دری کے کھنڈر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں میرا خیال

ہے کہ یہ زینت طوائف کے مکان کا حصہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زینت بہت دولت مند خاتون تھیں۔ تائب ہو گئی تھیں۔ خدا نے انھیں توفیق دی تھی کہ انھوں نے شاہ مرداں میں مستقل سکونت اختیار کی اور ساری زندگی درگاہ کی خدمت میں گزار دی۔

نقار خانہ

درگاہ کے اصل دروازے سے پہلے ایک اور دروازہ ہے، جسے نقار خانہ کہا جاتا ہے۔ یہ دروازہ دس فٹ چوڑا اور آٹھ فٹ اونچا ہے۔ پہلے اس دروازے پر گنبد تھا اور اس پر ایک سہ دری بھی تھی۔ گنبد اور سہ دری گر چکی ہیں، رو کار پر بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں، جو قدامت کا شکار ہو گئے ہیں۔ یہ نقار خانہ صادق علی مرحوم نے بنایا تھا۔ نقار خانے کی دیوار کی پیشانی پر یہ کتبہ تھا۔

هوالعلی

چوں کہ صادق علی بنائے رفیع
ساخت بر آستانۂ حیدر
سالِ تاریخ آں بنا صادق
گفت نقار خانۂ حیدر ۱

۱۲۳۰ھ

اب یہ کتبہ اُس دیوار پر نہیں ہے۔ سنگِ مرمر کی چھوٹی سی تختی پر یہ کتبہ درج ہے۔

۷۸۶

درگاہ شاہ مرداں

نقار خانہ
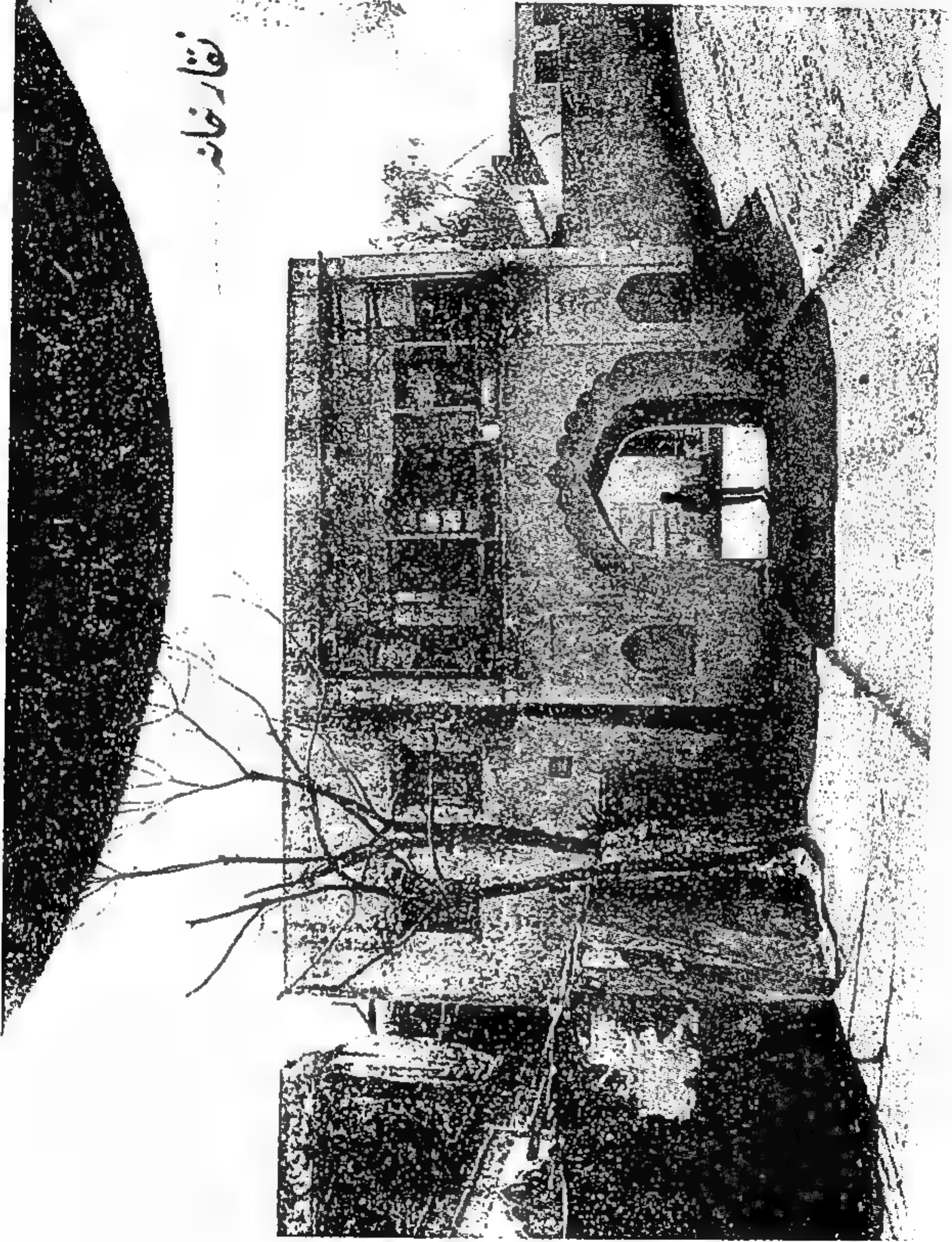
نقار خانے کے پاس کی مسجد
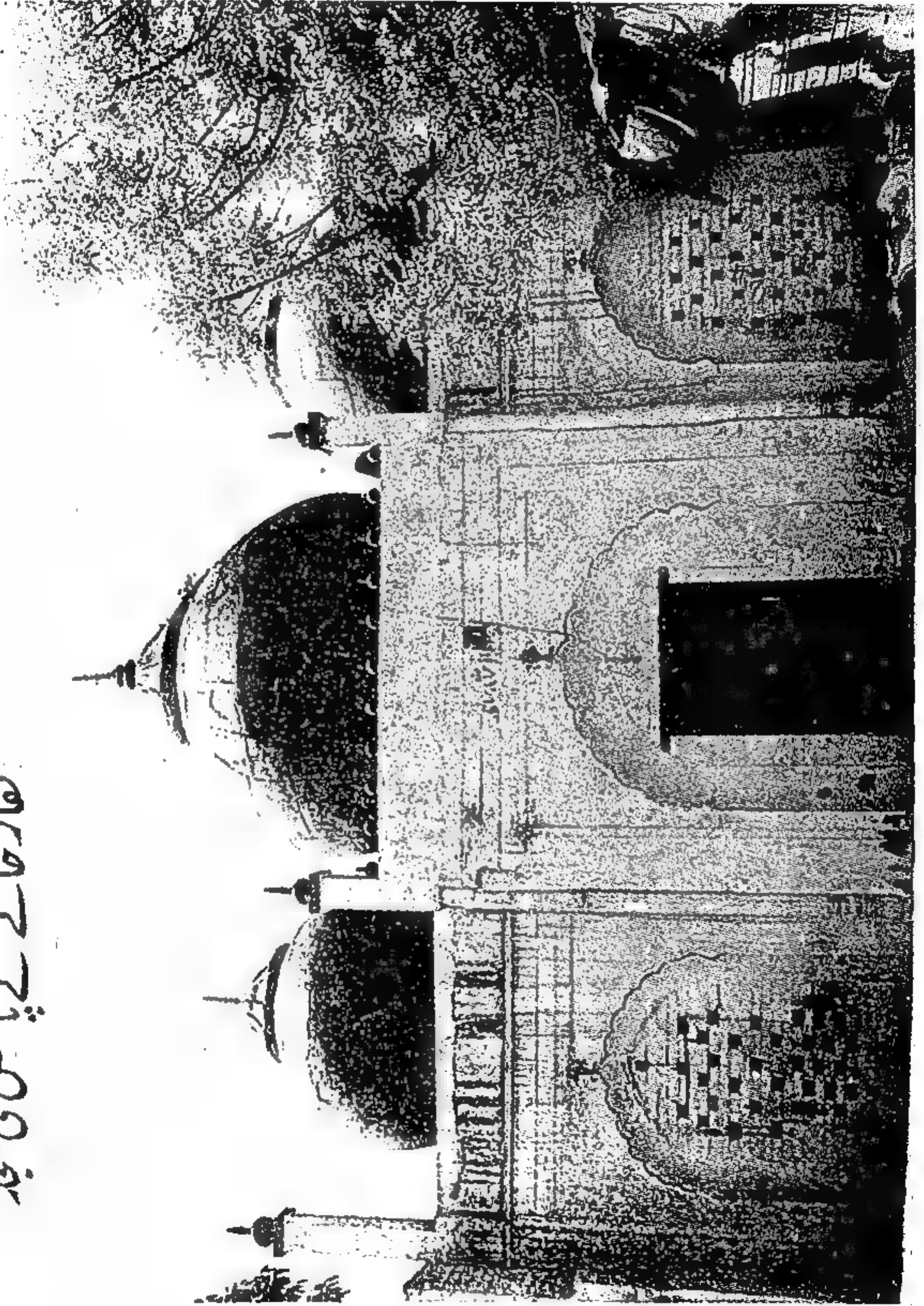
وقف
زیر تولیت
(انجمن حیدری رجسٹرڈ (دلی)

نقار خانے کے دروازے کے دونوں طرف (اندر کی طرف) دو چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں ہیں۔ نقار خانے کے اوپر امیر علی صاحب کی رہائش ہے۔ دائیں طرف کی کوٹھری میں لکڑی کا زینہ بنا کر اوپر جانے کا راستہ بنا لیا ہے۔

نقار خانے کے باہر بائیں طرف ایک چھوٹی اور شکستہ سی عمارت ہے۔ تین در کا ایک کمرہ ہے۔ بیچ کا در بہت بڑا اور دونوں طرف دو چھوٹے چھوٹے در ہیں۔ اس کمرے کے آگے پردے کی دیوار کھڑی کر کے رہائش کر لی ہے۔ یہاں کے لوگ اسے لال محل کہتے ہیں۔

"سیر المنازل" میں مرزا سنگین بیگ نے جس ترتیب سے شاہ مرداں کی عمارتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لال محل اُن مرزا اشرف بیگ کا مکان ہے جنھوں نے کربلا کی چار دیواری تعمیر کرائی تھی۔[1]

نقار خانے میں داخل ہوتے ہی بائیں طرف ایک مکان ہے جس کے دروازے پر سید شرافت حسین کاظمی کے نام کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ اس مکان کی پشت پر ایک مسجد ہے۔ اس مسجد کے تہ خانے میں رہائش ہے۔ یہ اس رہائش گاہ کا دروازہ ہے۔

نقار خانے کے متصل مسجد

نقار خانے میں داخل ہونے پر بائیں طرف (مشرق کی جانب) لال پتھر کی بنی ہوئی

ایک چھوٹی سی خوش نما مسجد ہے۔ طرزِ تعمیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغلوں کے عہد آخر کی تعمیر ہے۔ نواب قدسیہ کی سنہری مسجد اس طرز کی ہے۔ مسجد اٹھائیس فٹ چار انچ لمبی اور چودہ فٹ تین انچ چوڑی ہے۔ مسجد کے تین دالان ہیں۔ پہلے ہر دالان کا محرابی در تھا۔ اب دائیں بائیں کے در بند کر دیے گئے ہیں۔ درمیانی در پر دروازہ لگا دیا گیا ہے۔

مسجد کا صحن، "مسلم ہندو آثار قدیمہ کی فہرست جلد دوم" کے قول کے مطابق، لال پتھر کا بنا ہوا تھا"، اب سب پتھر ٹوٹ گئے ہیں۔ صحن کی زمین کچی ہے۔ آس پاس رہنے والے لوگ اس صحن کو کپڑے سکھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ صحن اکیس فٹ دو انچ لمبا اور تیرہ فٹ چھے انچ چوڑا ہے۔

مہابت خاں کا مقبرہ

لال مسجد کے جنوب مشرق میں تیس گز کے فاصلے پر مہابت خاں کا مقبرہ تھا۔ یہ منہدم ہو چکا ہے۔ اس کی تفصیل فہرست (جلد دوم) میں بیان کی گئی ہے۔ یہ مقبرہ چونے اور پتھر کا بنا ہوا تھا۔ بارہ فٹ آٹھ انچ مربع تھا۔ مقبرے پر ایک گنبد تھا۔ مقبرے کے چاروں طرف دروازے تھے جنوب کا دروازہ کھلا رہتا تھا۔ باقی سب بند کر دیے گئے تھے۔

مہابت خاں کا اصل نام زمانہ بیگ تھا ـــــ ان کا ۱۰۴۴ھ (مطابق ۱۶۳۴-۶۳۵) میں دکن میں انتقال ہوا۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کی لاش دلی لا کر شاہِ مرداں میں دفن کی گئی۔ اس وصیت کا ذکر اس کتاب کے آغاز میں کیا جا چکا ہے۔
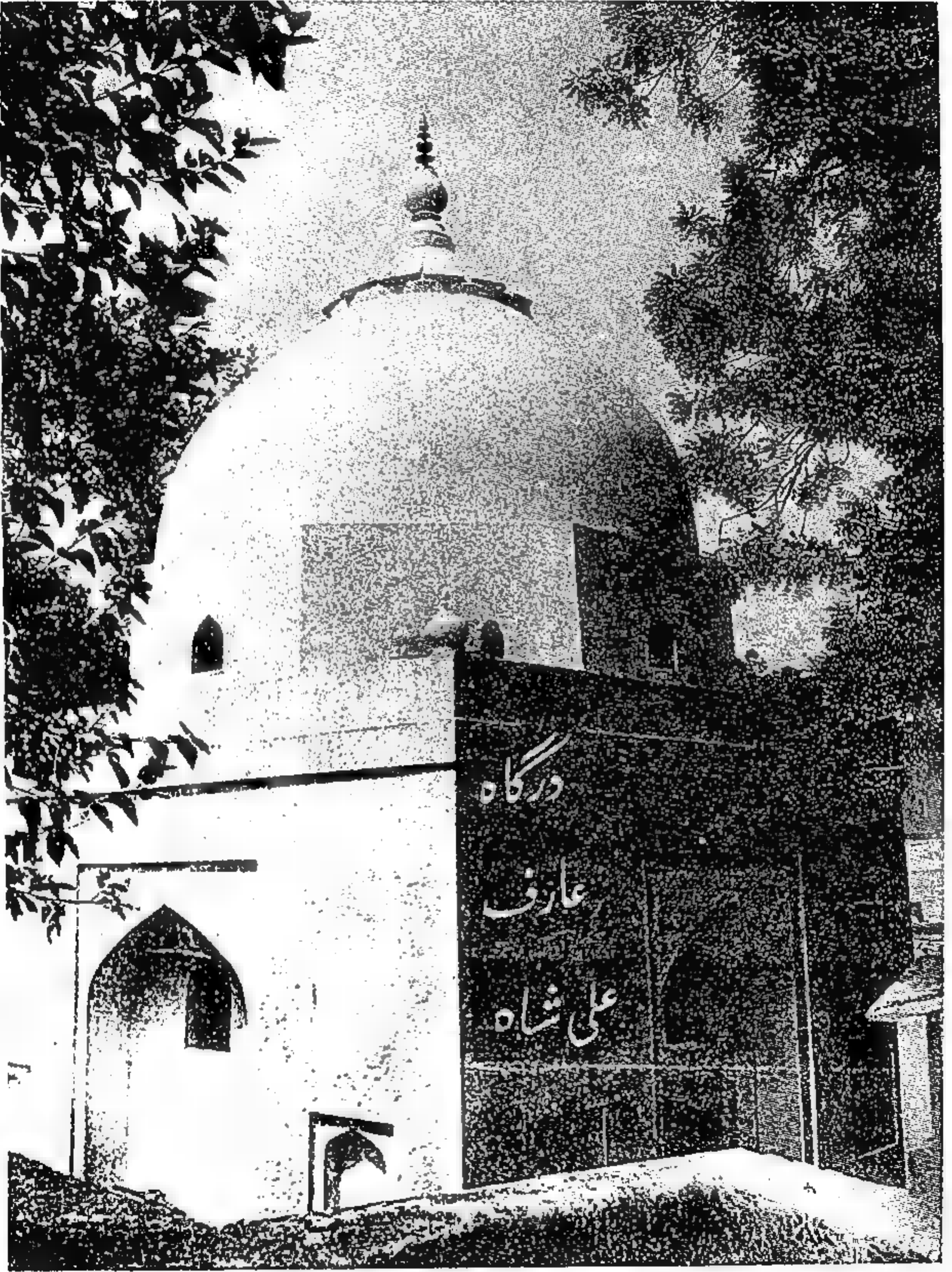
درگاہ
عارف
علی شاہ

مہابت خاں کا گھر موجودہ ٹیلک برج کے قریب مسجد النبیؐ کے جنوب میں تھا۔

ایک منہدمہ مسجد

مہابت خاں کے مقبرے کے مشرق میں پانچ گز کے فاصلے پر ایک مسجد، جو انیس فٹ چھے انچ لمبی اور چودہ فٹ چوڑی تھی۔ مسجد اینٹوں کی بنی ہوئی تھی۔ اب اس مسجد کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔

درگاہ عارف علی شاہ

نقار خانے میں داخل ہوں۔ تو سامنے بائیں طرف ایک چھوٹا سا راستہ ہے جو درگاہ عارف علی شاہ کو جاتا ہے۔ درگاہ میں داخل ہوتے ہی دائیں طرف تین در کی چھوٹی سی مسجد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عارف علی شاہ کی چلہ گاہ تھی۔ مسجد کی چھت چھپر کھٹی گنبد کی ہے۔ یہ چودہ فٹ لمبی اور نو فٹ چوڑی ہے۔ مسجد میں دروازے لگا دیے گئے ہیں۔ اور اب اس میں درگاہ کے سجادہ نشین مختار حسین صاحب رہتے ہیں۔ درگاہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بشیرالدین احمد نے لکھا ہے۔

"درگاہ کی عمارت ۲۲ فٹ مربع ایک گنبد ہے۔ جو پھیلے ہوئے بیٹھے کا ہے، جس پر برجی کلس ہے آپ کے گنبد کے چار دروازے ہیں۔ آپ کی قبر پر شامیانہ تنا ہوا ہے اور بہت

سے چیٹے بٹے آویزاں ہیں۔ اس وجہ سے عوام میں چیٹے بٹے کی درگاہ مشہور ہے۔ آپ کے مزار کے گرد سنگِ مرمر کا کٹہرا ہے۔ درگاہ کا احاطہ ۴۲ فٹ مربع ہے۔" [1]

گنبد کی شمالی دیوار پر سنگِ مرمر کی چھوٹی سی تختی نصب ہے جس پر کندہ ہے۔

۷۸۶ درگاہ سید عارف علی شاہ علی گنج، نیو دہلی۔ زیرِ نگرانی قوم عابدی۔ مظفر نگر

مقبرے اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں۔ چاروں طرف چار دیواری ہے مغربی دیوار درگاہ شاہ مرداں سے ملتی ہے۔

مقبرے کے جنوبی دروازے کے باہر، بائیں طرف کو، چار دیواری کے اندر ایک قبر ہے جسے سید عارف علی شاہ کے چچا سید ظہیر علی شاہ کی بتایا جاتا ہے۔

"فہرست" میں بتایا گیا ہے کہ سید عارف علی شاہ کو بہت کم عمر میں عرفان حاصل ہو گیا تھا۔ بارہ سال کی عمر میں اُن کا انتقال ہوا۔ اس بیان پر یقین نہیں آتا۔ بہر حال کہتے ہیں کہ ان کا انتقال غوث پور، ضلع بجنور میں ہوا تھا۔ چوں کہ انھیں درگاہ شاہ مرداں سے عقیدت تھی۔ اس لیے اُن کی لاش دلّی لاکر درگاہ شاہ مرداں سے متصل دفن کی گئی۔ بشیر الدین احمد نے اُن کا سنہ وفات ۱۰۷۲ھ (مطابق ۱۶۶۱ء۔ ۱۶۶۲ء) بتایا ہے اور درج ذیل قطعۂ تاریخ بھی نقل کیا ہے۔

بعہدِ شاہ عالم گیر غازی
سیادت مرتبت عارف علی شاہ
فقیہہ و متقی و عارفِ عصر
ملک خصلت، نکو صورت، حق آگاہ
بزہد و کشف و اعجاز و کرامت
بعلمِ معرفت مشہور چوں ماہ
ازیں دارِ فنا با صد تجمل
متاع اتقا بر بود ہمراہ
چنیں بنوشت مضطر سالِ رحلت
نہاں شد آفتابِ دینِ حق آہ

سید عارف علی شاہ کے حالات مجھے کہیں نہیں ملے۔ یہ قطعۂ تاریخ بھی کہیں اور نظر سے نہیں گزرا۔ بشیرالدین احمد مرحوم کو سنہ وفات کی اطلاع اس زمانے کے درگاہ کے متولی سید اعجاز حسین نے دی تھی۔ انھوں نے ہی غالباً یہ قطعۂ تاریخ بھی دیا ہوگا۔

درگاہ شاہ مرداں

نقار خانے سے اندر داخل ہوتے ہیں تو دائیں طرف درگاہ شریف کا دروازہ ہے۔ دروازے کے پتھروں میں گول سوراخ موجود ہیں۔ جن سے پتا چلتا ہے کہ اس کے دروازے لکڑی کے تھے۔ اور یہ سوراخ چولیں پھنسانے کے لیے تھے۔ اب لوہے

کی سلاخوں کے دروازے لگے ہوئے ہیں۔

قدم مبارک

اس دروازے سے داخل ہوتے ہیں تو سامنے (تھوڑا سا بائیں طرف) قدم مبارک کا احاطہ ہے۔

اگرچہ شاہِ مرداں اور اُس سے متعلق عمارتوں کا ذکر پہلی بار غالباً درگاہ قلی خاں نے "مرقع دہلی" میں کیا تھا۔ لیکن درگاہ قدم مبارک کا تفصیلی ذکر پہلی بار بشیرالدین احمد نے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اب درگاہ شریف میں چلیے، جس کا مشرق رویہ دروازہ ۹ فٹ اونچا اور ۶ فٹ ۳ انچ چوڑا چوکی دار ہے، جس کے پٹ چوبی ہیں۔ لیکن جیسا عالی شان عمارت ہے، ویسا دروازہ نہیں۔ یہ درگاہ ایک بڑے احاطے کے اندر ہے، خود درگاہ کا احاطہ ۳۶ فٹ × ۲۶ انچ — ۸ فٹ — ۸ انچ اونچا سنگ مرمر کی نفیس سلوں کا ہے۔ جنوبی دیوار میں دس پوری سلیں سنگ مرمر کی نصب ہیں۔ اور نصف نصف سلیں کونوں میں اور ایسے ہی شمالی دیوار میں۔ مشرق کی طرف داخلی دروازہ ۷ فٹ ۹ انچ اونچا ۵ فٹ عریض ہے جس کی چوکھٹ سنگ مرمر کی ہے اور پٹ چوبی۔ دروازے کے ادھر اُدھر دو سلیں سنگ مرمر کی ہیں، جو ایک رخ چار دیواری کا ہے۔ اسی طرح مغرب کی دیوار میں دو سلیں سنگِ مرمر کی اور بیچ میں ایک معمولی سا دروازہ ہے۔ اس دروازے

قدم مبارک (شاہ مردان)
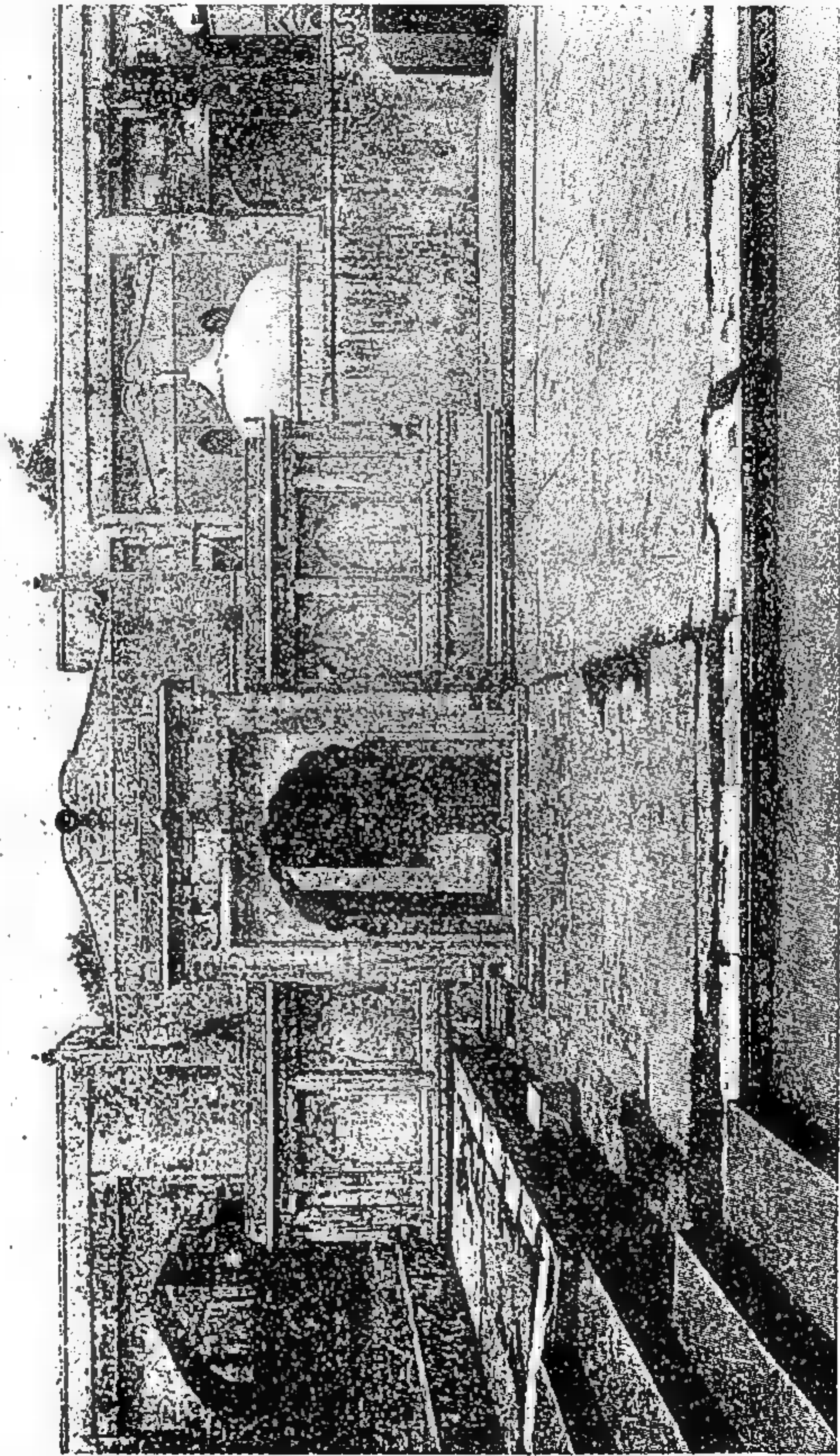
کے دونوں پاکھوں پر سنگِ مرمر کے کچھ کتبے دوسری جگہ سے لاکر نصب کر دیے ہیں کہ روندن میں آتے تھے!

داہنے پاکھے پر:

اللہ محمد علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ محمد علی فاطمہ حسن حسین علی

محمد جعفر موسیٰ علی محمد علی

حسن محمد علیہم السلام

۔ تاریخ وفات شرف النسا بیگم عرف حاجی بیگم مرحومہ ۔۔ بنت مرزا سید محمد گلستانہ عرف مرزا جانی مرحوم ۔۔ دوازدہم شہر ربیع الثانی روز یکشنبہ ۱۲۱۶ھ۔

بائیں پاکھے پر:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷۸۶ اللہ

صحن درگاہ میں سنگ مرمر کی سلوں کا فرش ہے جس کے بیچ میں ایک پرانا درخت نیم کا بھی کھڑا ہے۔ قدم شریف کی اصل جگہ اسی احاطے کے بیچوں بیچ سنگِ مرمر کا ایک چبوترہ ۸ فٹ × ۵ ½ انچ ۔۔ ۲ فٹ ۔ ۵ انچ اونچا ہے، جس پر ٹین کا صندوق نما پٹاؤ کر دیا ہے اور ٹین کو سبز رنگ کا رنگ دیا ہے، اس صندوق کے دونوں طرف لمبان میں کھلنے بند ہونے والی کھڑکیاں رکھ دی ہیں۔ اس کے اندر سنگِ مرمر کا ایک نہایت خوب صورت حوض ۴ فٹ ۱۲ انچ لمبا اور ۲ افٹ ۱۰ انچ چوڑا ۔۔ افٹ ۳ انچ عمیق ہے۔ اس کے اندر قدم مبارک ہے، جس میں خوشبودار پانی اور پھول پڑے

رہتے ہیں۔ اس حوض کے کنارے عرض میں ایک طرف یہ شعر کندہ ہے۔

برزمینے کہ نشان کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود[1]

سرسید نے "آثار الصنادید" کے پہلے اڈیشن میں قدم مبارک کے بارے میں بہت مختصر سی معلومات فراہم کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اس جگہ (شاہ مرداں) پتھر پر قدم کا نشان بنا ہوا ہے، اس نشان کو حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے قدم کا نشان بیان کرتے ہیں... اس نقشِ پا کو سنگ مرمر کے حوض میں جمایا ہے اور اس کے کنارے پر یہ شعر کندہ ہے۔ کتبہ

برزمینے کہ نشان کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود[2]
۱۱۳۷ ہجری

دوسرے اڈیشن میں قدم شریف کے سلسلے میں نواب قدسیہ کا ذکر کرتے ہوئے سرسید لکھتے ہیں: "نواب قدسیہ صاحب الزمانی کے پاس ۱۱۳۷ ہجری مطابق ۱۷۲۴ء میں ایک پتھر آیا، جس پر نقش قدم تھا۔ اور یہ بیان کیا گیا کہ یہ حضرت علیؓ کے قدم کا نقش ہے، نواب قدسیہ نے اس نقشِ قدم کو اس مقام پر سنگِ مرمر کے حوض میں جما دیا اور اس حوض کے نیچے سنگ مرمر کا فرش کر کر مجحر بنایا اور اس کے کنارے پر یہ شعر کندہ کر دیا۔ شعر:

برزمینے کہ نشان کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود"[3]
۱۱۳۷ ہجری

آثار الصنادید کے تمام اڈیشنوں میں شعر کے نیچے جو سنہ دیا گیا ہے وہ ۱۱۳۷۵ھ ہے۔ جب کہ "واقعات دارالحکومت دہلی (جلد سوم، ص ۶۵)" اور "مسلم اور ہندو آثار قدیمہ کی فہرست (انگریزی) جلد دوم، ص ۱۹۵" میں یہ ۱۱۷۳ھ ہے۔ اب وہ حوض اور کتبہ باقی نہیں ہے اس لیے یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ لیکن چوں کہ دو مصنفین نے ۱۱۷۳ھ لکھا ہے اس لیے گمان ہوتا ہے کہ سرسید کو سہو ہوا۔

پوری کوشش کے باوجود میری سمجھ میں نہیں آیا کہ حوض پر ۱۱۷۳ھ کس نے اور کیوں کندہ کرایا۔ بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حوض کی تاریخ تعمیر ہے اور اس شعر سے تاریخ نکلتی ہے۔ لیکن شعر سے کسی طرح بھی یہ تاریخ نہیں نکلتی، جس کا مطلب ہے کہ اس سنہ کا شعر سے کوئی تعلق نہیں۔ اب سرسید کے بیان پر غور کیا جائے۔ سرسید کا کہنا ہے کہ "۱۱۳۷ھ میں نواب قدسیہ کے پاس قدم شریف آیا۔" یہ سنہ ۱۱۳۷ھ ہو یا ۱۱۷۳ھ دونوں صورتوں میں نواب قدسیہ کا قدم مبارک سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ نواب قدسیہ کے اقتدار کا زمانہ ۱۱۶۲ھ تا ۱۱۶۸ھ (مطابق ۱۷۴۷ء تا ۱۷۵۴ء) ہے۔ ۱۱۶۲ھ میں انھوں نے علی گنج کی عمارتیں تعمیر کرائی تھیں۔ ۱۱۳۷ھ میں اس لیے ممکن نہیں کہ اس زمانے میں نواب قدسیہ اقتدار میں نہیں تھیں، اس لیے وہ اتنی بڑی رقم خرچ نہیں کر سکتی تھیں اور ۱۱۷۳ھ میں تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیوں کہ ۱۱۶۸ھ میں انھیں گرفتار کر لیا گیا تھا اور ممکن ہے کہ ۱۱۷۳ھ سے قبل ہی اُن کا انتقال ہو گیا ہو۔

نواب قدسیہ، جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا، ۱۷۴۷ء میں اقتدار میں آئی تھیں، اور قدم شریف اس زمانے سے دوسو سال قبل یہاں موجود تھا۔ اس کی تفصیل شروع میں بیان کی جا چکی ہے۔

اگر کسی عقیدت مند کی کوئی منت پوری ہوتی ہے، تو وہ اس حوض کو دودھ سے بھر دیتا ہے۔ جس میں قدم مبارک ہے۔ دودھ پر نیاز دی جاتی ہے اور پھر یہ دودھ عقیدت مندوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب ہند و مسلم فساد ہوا اور تمام مسلمان علی گنج چھوڑ کر پاکستان یا کسی محفوظ مقام پر چلے گئے تو آغا مرزا نامی ایک نوجوان (آغا مرزا صاحب بفضلہ تعالیٰ حیات ہیں) انھوں نے درگاہ کی مرمت اور حفاظت کے سلسلے میں بہت خدمات انجام دی ہیں) نے یہاں سے قدم شریف نکال کر کشمیری گیٹ کی درگاہ پنجہ شریف میں محفوظ کر دیا۔ اس عمل میں درگاہ قدم مبارک کا وہ حوض شہید ہو گیا، جس میں قدم شریف نصب تھا۔ جب کچھ امن چین ہوئی تو آغا مرزا صاحب اور ان کے ساتھیوں نے قدم شریف لا کر اس کی پرانی جگہ پر نصب کر دیا۔ آغا مرزا صاحب کے بیان کے مطابق دہلی کے ایک بزرگ سید وقار عباس رضوی مجنوں دہلوی نے حوض دوبارہ بنوایا اور اس کے اوپر ٹین کا شیڈ ڈال دیا۔ جس احاطے میں قدم شریف کا حوض بنا ہوا تھا، اس کے مغرب میں ۲۰ فٹ لمبا اور ½ ۱۱ فٹ چوڑا ایک حجرہ ہے، جس پر چھت نہیں تھی۔ ۱۹۸۳ء میں اشرف علی سمار کے صاحبزادے نے حجرے پر چھت ڈال کر قدم شریف اُس میں منتقل کر دیا۔ آج کل قدم شریف اسی حجرے میں ہے

بی بی فاطمہؓ کی چکّی

قدم شریف کے شمال میں ایک چھوٹا سا احاطہ ہے جس میں ایک ہشت پہلو برج ہے۔ اس برج کے بارے میں سرسیّد نے لکھا ہے "اس مجر (قدم شریف) کے پاس ایک برج ہے کہ اس میں کسی مرد کو نہیں جانے دیتے اور کہتے ہیں کہ اس میں نقش کاسہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کا ہے۔" سرسید نے اس عبارت کا عنوان "برج کاسہ حضرت فاطمہ رضہ" دیا ہے۔ بشیر الدین احمد نے بھی یہی عنوان دے کر لکھا ہے: درگاہ قدم شریف کے احاطے

بی بی کی چکی
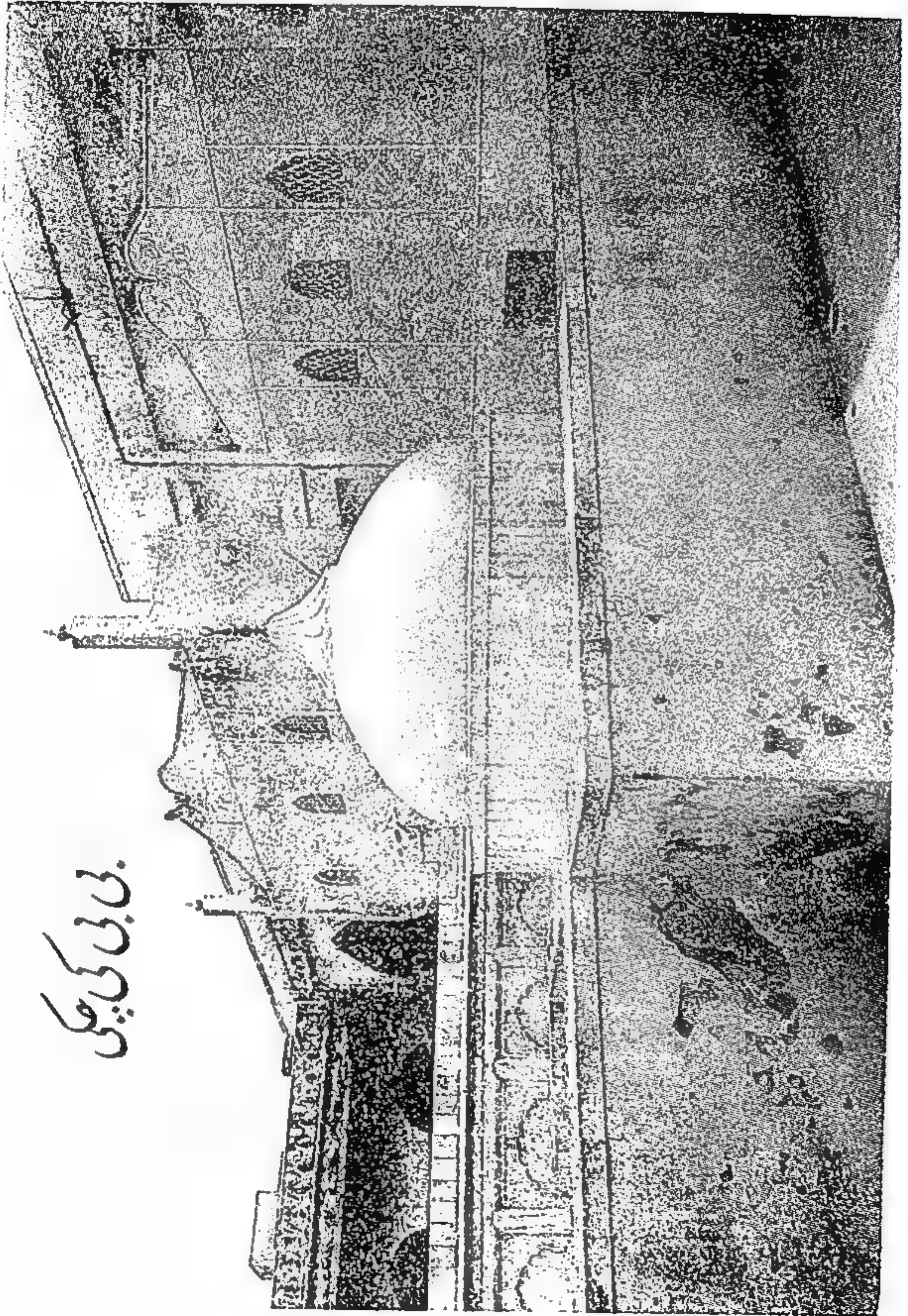
کی شمالی دیوار سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا احاطہ ہے، جس کے اندر ایک چھوٹا سا ہشت پہل برج ہے۔ کہتے ہیں کہ اس برج میں نقشِ کاسۂ حضرت فاطمہ علیہا السلام کا ہے اس احاطے کے اندر سوائے عورتوں کے مرد نہیں جاتے۔ میں نے بھی ادباً اس میں جانے کی جرأت نہیں کی، ایک چھوٹے سے لڑکے کو اندر بھیج کر دکھوالیا۔ اُس برج کے اندر ایک بڑے پیالے کی شکل بنادی ہے۔"[1]

اب برج پر "بی بی فاطمہ کی چکی" لکھا ہوا ہے۔ احتراماً میں برج میں داخل نہیں ہوا۔ شاہِ مرداں کے نقار خانے کی عمارت میں رہنے والے ایک صاحب امیر علی صاحب نے بتایا کہ اندر چکی کا ایک پاٹ رکھا ہے، جسے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ نقشِ کاسہ، چکی کے پاٹ میں کیسا بدل گیا۔ میرا خیال ہے کہ یہاں ایک گول تراشا ہوا پتھر ہے، جسے پہلے نقشِ کاسۂ کہتے تھے اور اب اسے چکی کا پاٹ کہا جاتا ہے۔ مغرب کی طرف برج کا بہت چھوٹا سا دروازہ ہے۔ اس احاطے میں داخل ہوتے ہی ایک قبر ہے۔ جو ۱۹۴۰ء میں بنائی گئی ہے۔ یہ قبر مرزا علی محمد خاں کی صاحبزادی اور سید محمد عباس کی رفیقۂ حیات بی بی نزہت زمانی بیگم زریں تاج کی ہے۔ قبر کے تعویذ پر یہ عبارت کندہ ہے۔

اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کل من علیها فان

قل هو اللہ احد ہ اللہ الصمد ہ لم یلد ولم یولد ہ

ولم یکن لہ کفواً احد ہ

وفات مرحومہ و مغفورہ

بی بی نزہت زمانی بیگم زریں تاج

رفیقۂ حیات سید محمد عباس

دختر مرحوم و مغفور مرزا علی محمد خاں

سالسٹر وائس چانسلر بمبئی یونیورسٹی

انتیس ۲۹ ربیع الثانی پنج شنبہ

مطابق چھ ۶ جون ۱۹۴۰ء

جلوۂ فردوسِ حوراں اب وہ زریں تاج ہے

۵۹ ۱۳

انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت فاطمہ رض کے برج کے شمال مغرب میں رفیع الدین صاحب کی صاحبزادی کی قبر ہے جس کے تعویز پر لکھا ہے۔

محمد علی فاطمہ حسن حسین

تاریخِ وفات

اصغری بیگم بنت رفیع الدین نے

۲۸ اگست ۱۹۴۲ء مطابق ۱۵ شعبان ۱۳۶۱ھ

یوم جمعہ ۷ بجے شب رحلت فرمائی

انا للہ و انا الیہ راجعون

للہ یا علی ولی رحم کھائیے!

مشکل کشائی کیجیے، تشریف لائیے

اب تو کرم کیجیے، یہ وقتِ مدد ہے (کذا)

اے شاہِ نجف تم کو پیغمبر کی قسم ہے

حضرت فاطمہ رض کے برجِ مبارک کے مغرب میں ایک چھوٹا سا حجرہ ہے۔ اس

حجرے میں جناب زینب اور جناب سکینہ کی ضریح رکھی ہوئی ہیں ۔ یہ ضریح حال ہی میں رکھی گئی ہیں۔ درگاہ کے سامنے سنگ مرمر کا فرش تھا۔ اس فرش کے بارے میں بشیرالدین احمد نے لکھا ہے کہ اس فرش پر" ایک پرانا نیم کا سایہ دار درخت کھڑا ہے ۔ اس درخت کے گرد بھی سنگ مرمر کا ۱۵½ فٹ × ۱۰ فٹ تھا اور ۲ فٹ ایک انچ اونچا تھا اور سیڑھیوں کا چبوترا باندھ کر درخت کو ایک کونے میں لے لیا ہے۔ اس چبوترے پر دو قبریں سنگِ مرمر کے تعویز کی ہیں۔ مگر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ اس چبوترے کے ذیل کی قبریں سطح زمین کے برابر ہیں۔ صرف سلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قبریں ہیں۔ سلوں کے گرد سیاہ حاشیہ کھینچ دیا گیا ہے۔ ان چار قبروں میں صرف قبر (۱) کی سل سنگِ سرخ کی ہے، باقی کی سنگِ مرمر کی سلیں ہیں۔"[1] ان میں پہلی قبر محلدار بیگم کی ہے۔

محلدار بیگم کی قبر

مرزا سنگین بیگ کے قول کے مطابق درگاہ شاہ مرداں کے ساتھ محلدار بیگم کی قبر تھی، قبر کا کتبہ سنگِ مرمر کے تعویز پر خطِ نستعلیق میں کندہ تھا۔

محلدار بیگم کہ گفتے بدنیا
سجود درِ اہل بیت است دینم
غمش کرد خونِ دل دوستاں خشک
شد از ماتمش دیدۂ مومنین نم
بسید خود آں سیدہ سالِ رحلت
بگفتا "محلدارِ خلدِ برینم"[2]

۱۲۱۹ھ = ۱۸۰۴-۵

اس چبوترے کی دوسری قبر کا کتبہ ہے:

مرقد منور حسام الدین حیدر موسوی

تیسری قبر کا کتبہ ہے:

آخریں منزل جہاں آرائے
۱۲۷۵

اور چوتھی قبر پر کندہ ہے:

بادا بخیال صدر نشیں صدر نشاں

اس چبوترے کے سامنے سنگِ مرمر کا ایک اور چبوترا تھا۔ جو تیرہ ۱۳ مربع فٹ، اور دو فٹ اونچا تھا۔ بہ قول بشیر الدین احمد" جس کے گرد ڈیڑھ فٹ اونچا کٹہرا شمال میں اور نصف نصف مشرق مغرب میں ہے۔ اس چبوترے پر صرف دو قبریں زمین کے برابر ہیں۔ جن پر سنگِ مرمر کی سلیں اور چو طرف حاشیہ سنگِ سیاہ کا ہے"[1] یہ نواب امراؤ مرزا کے خاندان کی حظیرہ تھی۔ نواب امراؤ مرزا بیسویں صدی کے اوائل میں دلّی کے آنریری مجسٹریٹ تھے۔

احمد حسین کی قبر

اس چبوترے پر پہلی قبر احمد حسین خاں کی تھی۔ بہ قول بشیر الدین احمد" اس قبر پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، دو طرف کلمۂ شہادت، بیچ میں اللہ اور گرد آیۃ الکرسی لکھا ہوا ہے"[1]۔ اس قبر کے سرھانے نہایت خوش خطا بہ خط نستعلیق سنگِ مرمر کی تختی پر یہ عبارت کندہ تھی۔

هوالباقی

احمد حسین خاں کہ بعہدِ شباب مرد
زاں خوبی ونکوئی و حسن و جمال آہ
سال وفات او بدو نوع ای دقیقہ رس
خواں یکہزار و دو صد و شصت و دو سال آہ

۱۲۶۲

دوسری قبر کے سرہانے یہ لوح تھی۔

اللہ

یا غفار الذنوب	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم		یا ستار العیوب
یا رضوان	چراغ شبستانِ ہفتم امام	بپائے علی شاہِ مرداں بخفت	یا غفران
	زہاتف چو پرسیدم از سالِ او	ارم مسکن موسوی خاں بگفت	
یا رؤف		۱۱۸۴	یا رطوف

قطعۂ تاریخ میں نام موسوی خاں آیا ہے۔ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی مرتب "سیر المنازل" کا کہنا ہے کہ اصل نام "موسیٰ خاں" ہے، لیکن تاریخ میں چھے عدد کی کمی کو پورا کرنے کے لیے "موسوی خاں" نظم کیا گیا ہے۔[1]

اکبر مرزا کی خاندانی ہڑواڑ

قدم شریف کے سامنے ایک سہ دری دالان سنگِ مرمر سرخ کا ہے، جس کی چھت بھی سرخ سلوں کی ہے۔ یہ دالان ۱۹½ فٹ × ۹ فٹ ہے۔ اس میں چار قبریں زمین کے برابر ہیں۔ یہ قبریں سلوں اور جدولوں کی وجہ سے پہچانی جاتی ہیں۔ بشیر الدین احمد صاحب کا کہنا ہے کہ دیوار میں کتبہ تھا، اس میں کچھ غلطی ہونے سے نکال لیا گیا۔ یہاں کے لوگ اکبر مرزا صاحب کے خاندان کی ہڑواڑ بتلاتے ہیں۔ جو فراش خانے میں چوہیا کے چھتے میں رہتے ہیں۔

کاظمین

اکبر مرزا کی خاندانی ہڑواڑ کو غلام اصغر سمار صاحب درگاہِ کاظمین بنا رہے ہیں۔ اس ہڑواڑ کو تھوڑی سی توسیع دے کر اس کے اوپر دو گنبد بنائے جا رہے ہیں۔ درگاہِ کاظمین میں حضرت موسیٰ کاظم علی علیہ اسلام کی ضریح رکھی جائے گی۔

مہر النسا بیگم کی چوکھنڈی

۱۲۳۶ھ

اکبر مرزا کی ہڑواڑ کی پشت کی پچھیت کی دیوار میں ایک دروازہ تھا، جو اس

چوکھنڈی میں جانے کا راستہ تھا۔ یہ چوکھنڈی چودہ فٹ لوایخ لمبی اور گیارہ فٹ چوڑی ہے۔ اس کا فرش سنگِ مرمر کا ہے۔ بہ قول بشیرالدین احمد دروازہ مغرب میں ہے۔ جس میں سنگِ مرمر کی دو جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس کے اندر تین قبریں برابر برابر مشرق سے مغرب کی طرف ہیں۔ دو کے تعویز ہیں۔ ایک کی سل جس پر سیاہ حاشیہ ہے۔

پہلی قبر کی لوح نہایت خوبصورت، خوش خط اور نقش و نگار سے آراستہ ہے۔ کتبے کی عبارت ہے:

لا اللہ محمد الرسول اللہ
علیہ الصلوٰۃ والسلام
چو مہر النسا بیگم خوش صفات
کہ چوں مہر می داشت روشن لقا
برفت از جہان و سیہ شد جہاں
بیفگند پرتو بملک بقا
زمنوں بجستم سال وفات
بصد محنت و درد و رنج و عنا
مکا کرد بے انتہا او بگفت
کہ ہیہات ہیہات مہر النسا
سنہ ۱۲۲۸ھ

دوسری قبر کا کتبہ ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ
تا هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ
سرہانے کلمہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا

وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

عشرت کی قبر

شاہ مرداں میں سرخ پتھر کی لوح پر بسم اللہ اور کلمہ طیب لکھا ہوا تھا۔ اور یہ شعر بھی نستعلیق میں کندہ تھے۔

دریغا کہ بے ما بسے روزگار
بروید گل و بشگفد نوبہار
کسانیکہ از ما بغیب اندر اند
بیایند و بر خاکِ ما بگذرند

بست و یکم شہر ذی الحجہ مغفوری مرحومی میاں عشرت صاحب
برحمت حق پیوست ۱۰۷۸ھ

ممکن ہے کہ یہ وہی عشرت علی خاں ہوں، جنھوں نے مجلس خانہ تعمیر کرایا تھا۔ بشیر الدین احمد لکھتے ہیں کہ بیدر میں علی برید شاہ بادشاہ کے گنبد کے اندر بھی یہی اشعار لکھے ہوئے ہیں۔[1]

محجر نواسی بیگم

یہیں ایک محجر تھا، جس میں شاہ عالم بادشاہ کی صاحبزادی اور نواسی کی قبریں

تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عالم کی نواسی کا نام بھی نواسی بیگم تھا[1]۔

شاہی خاندان کا قبرستان

یہیں ایک ایسا قبرستان بھی تھا، جس میں شاہزادے دفن تھے[1]۔ شہزادوں کے نام نہیں معلوم ہو سکے۔

مرزا محسن کی قبر

شاہ مرداں میں یہ قبر تھی۔ غالباً تعویز پر یہ عبارت تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یاغفّار الذنوب یا ستّار العیوب

قبر کے دونوں طرف کندہ تھا:

مرزا محسن ازین دارِ فنا شد چو رحیل
زیرِ نقشِ قدم پاکِ شہ مرداں خفت
داعی از حق شد و تاریخِ وفاتش سیّد
حشر محسن بحسین و بحسن گرداں، گفت

۱۱۹۷ھ

در عالمِ رویا برائے مزارِ خود فرمودہ ۔ مرزا محسن قلی خاں ۱۱۹۷ھ

شرف النسا بیگم عرف حاجی بیگم کی قبر

اس قبر پر سنگِ مرمر پر خطِ ثلث میں یہ عبارت کندہ تھی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اللہ ۔ محمد ۔ علی ۔ فاطمہ ۔ حسن ۔ حسین ۔ علی ۔ محمد ۔ جعفر ۔
موسیٰ ۔ علی ۔ محمد ۔ علی ۔ حسن محمد علیہم السلام ۔ تاریخِ وفات شرف النسا بیگم
عرف حاجی بیگم مرحومہ بنتِ مرزا سیّد محمد گلستانہ عرف مرزا خانی
مرحوم ۔ دوازدہم شہر ربیع الثانی روز یک شنبہ ۱۲۱۶ھ

صدر النسا کی قبر

صدر النسا، حسام الدین حیدر کی خوش دامن تھیں ۔ بہ قول مرزا سنگین بیگ شاہ مرداں کے آستانے کے روبرو، حسام الدین حیدر کی خوشدامن کی قبر پہ یہ مصرع ہے ۔

بادا بجناں صدر نشیں صدر نسا

سادات خاں کی قبر

سنگِ مرمر کے تعویز پر نستعلیق میں یہ عبارت کندہ تھی ۔

هُوَ العلی

نامی سادات خاں بنام کاظم
فرمود چو رحلت آں غلامِ کاظم
سیّد گفت از زبانِ او مصرعِ سال
حامیِ گناہِ ما امام کاظم (کذا)

۱۲۱۹ھ

قاسم علی خاں کا مزار

مرزا سنگین بیگ نے لکھا ہے کہ مرمر کے تعویذ کے ایک پہلو پر یہ کتبہ کندہ تھا:

نوابِ فلک مرتبہ عالی جاہ
قاسم علی خاں سیّد و سردارِ سعید
چوں مرد از دی آہ تاریخش شد
"زیرِ قدم علی مقامش گردید"[1]

۱۱۹۰ھ

حافظ محمد حفیظ کی قبر

مرزا سنگین بیگ کا بیان ہے کہ یہ قبر شاہ مرداں کے راستے میں تھی۔ چونے

کے تعویز پر نستعلیق میں لکھا ہوا تھا۔

از سرِ افسوس عشق سالِ وفاتش بگفت
بود محمد[1] حفیظ مادحِ آل نبی

۱۲۴۸ = ۱۲۴۹ھ = ۴ - ۱۸۳۳ء)

اس قبر کے پہلو میں لکھا ہوا تھا:

شاہِ مرداں جو کوئی اس راہ سے جایا کرے
فاتحہ اس قبر پر للہ پڑھ جایا کرے[1]

شاہ نعمت الٰہی کی قبر

مجلس خانے کے مشرق میں اور سید عارف علی شاہؒ کی درگاہ کی مغربی دیوار کے پاس ایک قبر ہے، جس کا تعویز سنگِ مرمر کا ہے۔ اس وقت چبوترے کے اس ملبے کی مرمت ہو رہی ہے فرش پر روڑی پڑی ہوئی ہے۔ شاہ نعمت الٰہی کی قبر اسی روڑی میں دب گئی تھی۔ میں نے جا کر قبر تلاش کی اور اس پر سے روڑی ہٹائی۔ اس قبر کے بارے میں بشیر الدین احمد نے لکھا ہے۔

شاہ نعمت الٰہی کی چوکھنڈی

"سید عارف علی شاہ صاحبؒ کی درگاہ کے احاطے کی مغربی دیوار سے ملی ہوئی ہے، جو اینٹ کی ہے۔ یہ چوکھنڈی ہے، ۱۲ ½ فٹ مربع ہے۔ احاطے کی بلندی ۴ فٹ ۵ انچ ہے۔ درگاہ کی طرف کی دیوار کے سوا تینوں طرف دیواروں میں سنگِ مرمر کی چار سلیں اور ایک ایک جالی لگی ہے۔ مغرب کی طرف صرف دو جالیاں ہیں کہ اسی میں دروازہ ہے۔ اس چوکھنڈی میں صرف دو قبریں ہیں۔"[2]

اب چوکھنڈی باقی ہے اور نہ سنگِ مرمر کی سلیں۔ برابر کی قبر کا بھی نام و نشاں باقی

نہیں۔ ۱۹۴۷ء میں لوگ سنگِ مرمر اکھاڑ کر لے گئے۔ شاہ نعمت الٰہی کی قبر پر سنگِ مرمر کا تعویز ہے۔

جس کے سرہانے خطِ نستعلیق میں یہ عبارت کندہ ہے۔

اللهم اغفر بحب الحضرات وفات

واسم الکریم غفرانہ بجودہ

شاہ نعمت اللهی فی التاریخ ۱۴ شعبان سنہ ۱۰۹۰

بی جواد الرحمن بفضل اهل البیت

شاہ نعمت الٰہی کی قبر کے برابر میں مغرب کی جانب جو قبر تھی، وہ زمین میں دب گئی ہے۔ اس کے بارے میں بشیر الدین احمد نے لکھا ہے: "اسی (شاہ نعمت الٰہی کی قبر) کے برابر دوسری قبر ہے" مگر اس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ سنگِ مرمر کی سل کے گرد سیاہ حاشیہ ہے۔[1] ممکن ہے یہ قبر شاہ نعمت الٰہی کی بیوی کی ہو۔

شاہ مرداں میں قدیم ترین قبر کا کتبہ

شاہ مرداں کے دروازے کے باہر ایک قبر تھی، اس پر سنگِ باسی کی لوح پر خطِ ثلث میں کندہ تھا:

تاریخِ وفاتش از خرد جستیم باد (کذا)
حشر معصوم با امامِ سوم باد

[۱۵۴۳ - ۴ = ۹۵۰]

عشرت علی خاں کا مجلس خانہ

قدم مبارک کے جنوب میں مجلس خانہ ہے، جسے عشرت علی خاں نے ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء میں تعمیر کرایا تھا۔ عشرت علی خاں کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ وہ خواجہ سرا تھے اور اکبر شاہ ثانی کے ملازم تھے[1]۔ مجلس خانے کی دیوار پر جو کتبہ لگا ہوا ہے، اس میں یہ مصرع بھی ہے: بحکم شہ اکبر نامور ـــ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکبر شاہ ثانی کو بھی اس درگاہ سے عقیدت تھی۔ اور اس مجلس خانے کی تعمیر میں بادشاہ کے حکم یا کم سے کم مرضی یا مشورہ کو دخل تھا۔

اس مجلس خانے کی تفصیل پہلے بشیر الدین احمد کی زبانی سنیے؛ لکھتے ہیں کہ: "یہ مجلس خانہ عشرت علی خاں نے ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء میں بنوایا، جو تہرے دالان کا ہے۔ جس کے گرد چوڑا چھجہ اور چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں، یہ عمارت طول و عرض میں ۵۳ فٹ × ۴۳ فٹ ہے۔ شمال میں پانچ در۔ مشرق میں دو۔ جنوب میں تین۔ مغرب میں صرف ایک چھوٹا سا دروازہ۔ یہ در دہرے اور بنگڑی دار محراب کے ہیں۔ چھت لداؤ کی قلم دان نما اوپر سے سپاٹ ہے"[2]۔ مغربی دیوار میں چودہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ دیوار میں ایسی تین محرابیں بنی ہوئی ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چھت مسجد کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ مجلس خانے کے چاروں کونوں پر جو برجیاں تھیں، وہ گر چکی ہیں۔

مجلس خانے کی شمالی دیوار کے ایک اور پاکھے پر سنگ مرمر کی تختی پر یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے:

بدر گاہِ شاہنشہِ دوسرائے
علی شاہ مرداں ولیِ خدائے
بحکمِ شہِ اکبرِ نامور
چو عشرت علی خاں بیاراست جائے
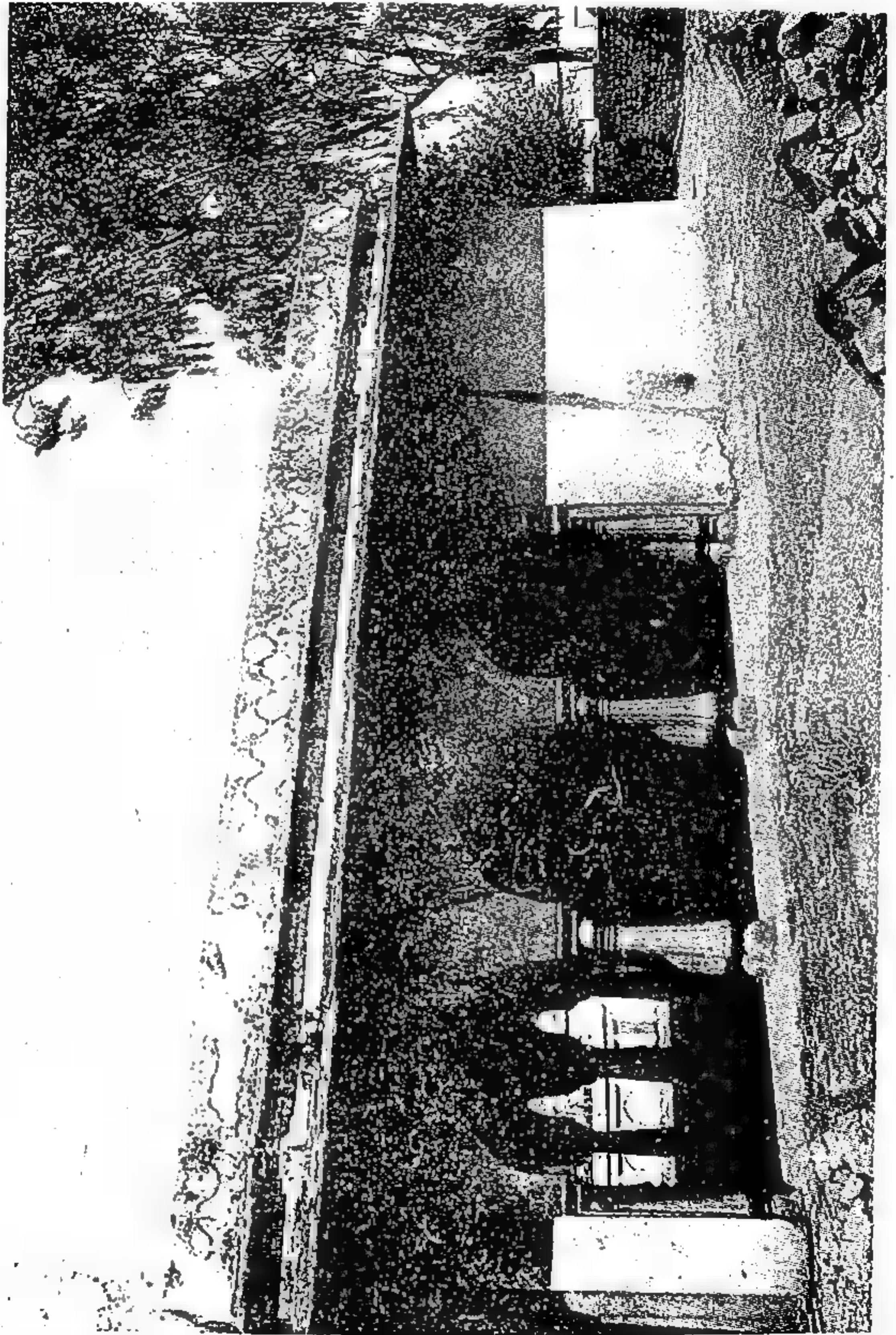
مجلس خانہ

زسید شدم سائلِ سالِ آں
ہمیں زد رقم داد ناظر بنا ے

۱۲۲۳

مجلس خانے میں مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔ یہ مجلس خانہ مرمت طلب تھا۔ ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۴ء/ ۱۸۸۵ء) میں نواب وزیر علی خاں نے اس کی مرمت کرائی۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے بہ قول بشیر الدین احمد "دہلی کشمیری دروازے کھڑکی ابراہیم علی خاں میں جو درگاہ پنجہ شریف، امام باڑہ اور مسجد سید آغا حیدر صاحب کے بزرگوں کی ہے، اُن مقامات کی مرمت بھی کرائی۔" درگاہ پنجہ شریف، امام باڑہ اور مسجد تینوں اب بھی موجود ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ بہت اچھی حالت میں ہیں۔ شاہ مرداں کی شمالی دیوار کے مشرقی پاکھے پر عشرت علی خاں کا کتبہ لگا ہوا ہے اس دیوار پر عشرت علی خاں کے کتبے کے متوازی نواب وزیر علی کا لگایا ہوا کتبہ ہے جس پر کندہ ہے:

اللہ

وہ عالی مرتبہ سید وزیر علی نواب
امام باڑہ مرمت کرایا اور جہاز
لگایا جس گھڑی یوں بحرِ فکر میں غوطہ
تو کاٹ کر سر بد خواہ یاس خستہ جگر
برائے مادّہ سنہ ہجری نبوی
مکان شیرِ خدا ہے یہ بے بدل بولا

۱۳۰۲ ہجری

مجلس خانہ اس لیے تعمیر کیا گیا تھا کہ اس میں مجلس ہو سکیں، لیکن نہ جانے کیا

مصلحت تھی کہ اس میں بھی قبریں بنادی گئیں۔

مجلس خانے کی تمام قبریں اب ہموار کردی گئی ہیں۔ بعض قبروں کے کتبے محرابوں سے اوپر اندر کی طرف دیواروں پر لگادیے گئے ہیں۔ "واقعات دارالحکومت دہلی" غالباً واحد کتاب ہے، جس میں ان قبروں اور اُن کے کتبوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ واقعات دارالحکومت سے یہاں یہ تفصیلات نقل کی جاتی ہیں۔[1]
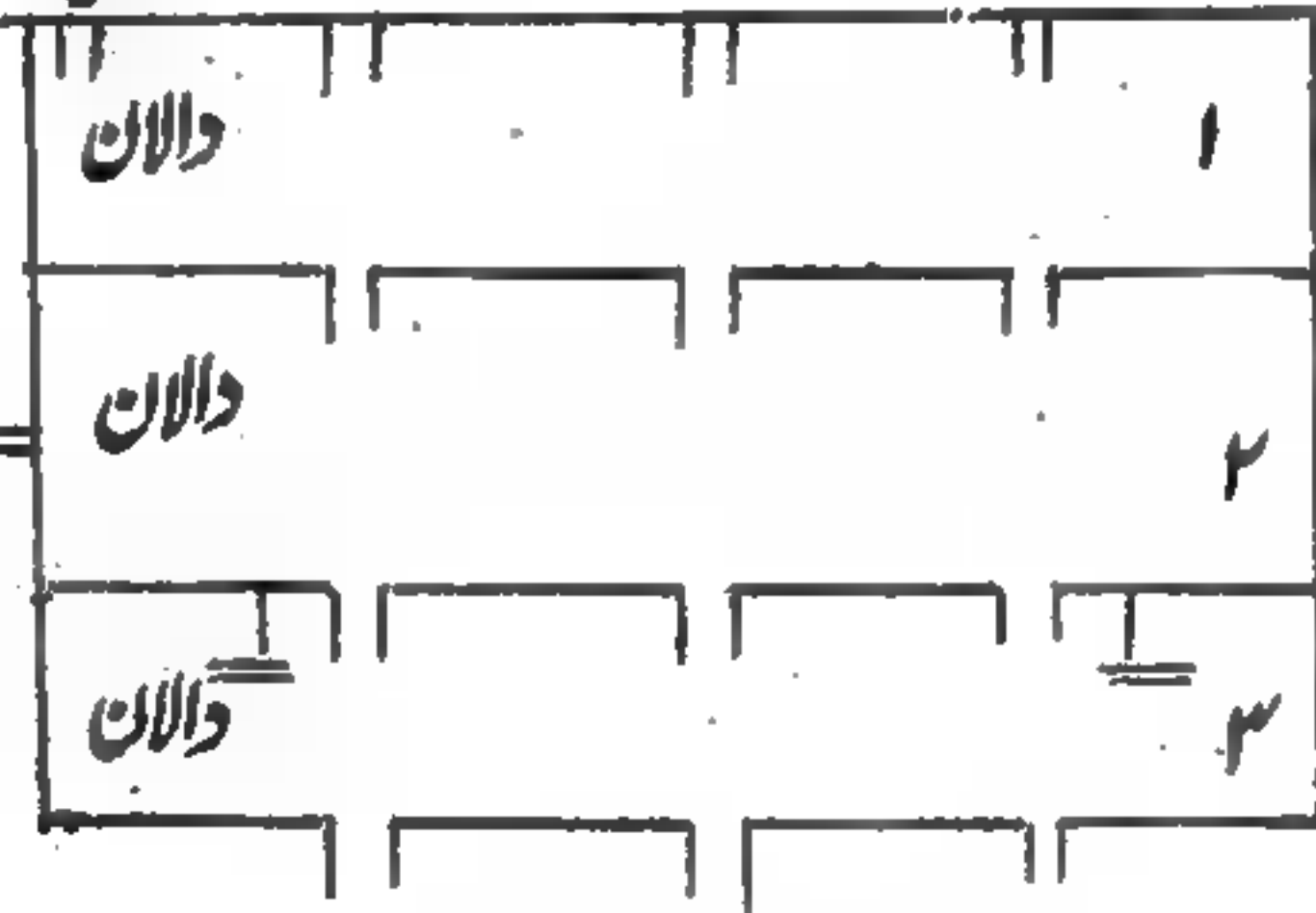
مجلس خانے کے اندر کی قبریں

نواب سید سلطان مرزا کی قبر

پہلے دالان کے باہر مشرق کی طرف نواب سید سلطان مرزا کی قبر تھی قبر پر سنگ مرمر کی سل تھی۔ قبر کا چبوترا ساڑھے سات فٹ لمبا اور ساڑھے تین فٹ چوڑا اور ۱ فٹ آٹھ انچ اونچا تھا اس چبوترے کے گرد سنگ مرمر کا ایک کٹہرا تھا۔ سرہانے کتبے پر یہ عبارت کندہ تھی:

ھوالغفور

۱۳۲۸

آرام گاہِ دائمی جناب نواب سید سلطان مرزا صاحب مغفور پاک دامان وخوش اعمال نجستہ گوہر صاحب تقویٰ × حامی دین نبی سید مومن پرور از نسل رضا × مرد باوضع الوالعزم رئیس دہلی در شہر مئی × وائے از دار فنا رفتہ محمد صفدر

۳۷۴ ۹۲ ۹۸۵ ۳۳۶ ۸ ۱۷

سلطان مرزا سنہ ۱۹۱۰ء

۱۵۰ ۲۴۸

پہلے دالان کے اندر کی قبریں

عباس مرزا کی قبر

پہلے دالان کی یہ دوسری قبر تھی۔ جس کے کتبے پر لکھا ہوا تھا

۷۸۶ ۔قبر مسمی بہ عباس مرزا قبلہ گاہ سجاد مرزا
اب شمالی دیوار کے وسط میں کتبہ لکھا ہوا ہے

اے دریغا سجاد

۱۲۹۴

کبریٰ بیگم کی قبر کا کتبہ

یہ پہلے دالان کی پانچویں قبر تھی۔

هو الله

سوم ماہ عزا بود و پس از ماہ عزا
ناگہاں شد بجناں رحلت کبریٰ بیگم
ہاتف غیب بمن گفت ز روے الہام
سالِ تاریخ بگو تربتِ کبریٰ بیگم

۱۳۰۷

حسین مرزا کی قبر

یہ چھٹی قبر ہے اور اس کا کتبہ ہے:

حسین میرزا چوں مرد در شش رمضاں
ازاں کہ بود ز نسل امیر خیبر گیر

پی شمارہ سالِ وفات رضواں گفت
بیا بکاخ جناں ای امیر ابن امیر
۱۳۲۳

ساتویں اور آٹھویں قبروں پر کتبے نہیں تھے۔

دوسرے دالان کی قبریں

عشرت اللہ کی قبر

دوسرے دالان کی پہلی قبر عشرت اللہ کی تھی۔ اس کتبے پر کلمہ طیبّہ لکھا ہوا اور پھر یہ قطعہ تاریخ درج تھا۔

لا اِلٰہ اِلّا اللہ محمّدٌ رسول اللہ
فائز بقدم بوس علی شد بر گاہ
عشرت ز غلامان علی شاہنشاہ
سید سر اندیشہ چو زد سال نوشت
پابوس علی باد بعشرت اللہ
۱۳۲۷

دوسری اور تیسری قبر پر کتبے نہیں تھے۔

سیّدہ خاتون کی قبر

دوسرے دالان کی چوتھی قبر کے کتبے پر کندہ تھا:

۱۳۲۳	۱۳۲۳	۱۳۲۳
یا ودود و غفور	ہو الغفار	یا واھب یا غافر

از دہر رفت سیّدہ خاتون مگر ندید
بہر سفر زنیمۂ ماہِ صیام بہ
یکتا ز روے آہ بمعنی و لفظ گفت
یک شنبہ و ہزار و سہ صد بود و بست و سہ

۱۳۲۳	۱۳۲۳	۱۳۲۳
یا وھاب یا غفار	سنہ ۱۳۲۳ ہجری	ھو الغافر

محمد میر کی قبر

اس دالان کی پانچویں قبر محمد میر کی تھی۔ قبر کے کتبے کی عبارت تھی۔

ھو الغفور

رخت بربست چوں محمد میر
سوے خلدِ بریں ز دار غرور
گفت ہاتف دلیل بخشش اوست
کامدہ سال رحلتش مغفور

آغا محمد یوسف کی قبر

آغا صاحب، محمد مولانا حسین آزاد کے پوتے اور آغا محمد ابراہیم کے صاحبزادے تھے۔

قطعہ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ عین جوانی میں انتقال ہوا۔ انتقال سے کچھ ہی دن پہلے مرحوم کی شادی ہوئی تھی۔

آغا صاحب کی قبر دوسرے دالان کے باہر تھی۔ قبر پر جو کتبہ تھا، اس کی عبارت تھی:

اللہ ــــ محمد ــــ علی ــــ فاطمہ ــــ حسن ــــ حسین ــــ مزار پر انوار جواں مرگ آغا محمد یوسف صاحب خلیل فرزند دلبند آغا محمد ابراہیم صاحب خلف الرشید مولانا محمد حسین صاحب آزاد اعلی اللہ تعالی مقامہم

قطعہ تاریخ

عمر بھر یاد رہے گی یہ کہانی افسوس
داغ دل پر ہے محبت کی نشانی افسوس
ہائے مہندی بھی دلہن کی نہ چھٹی تھی شاعر
خاک میں دفن ہے یوسف کی جوانی افسوس

۱۳۴۳ھ

میرا خیال ہے کہ قطعہ تاریخ آغا شاعر قزلباش نے کہا تھا۔

تیسرے دالان کی قبریں

اس دالان میں چھے قبریں تھیں مگر کسی قبر پر بھی کتبہ نہیں تھا۔ مجلس خانے کے باہر شمال کی طرف تین قطاروں میں قبریں تھیں۔ پہلی قطار میں بارہ قبریں تھیں۔ دس پر کتبے

نہیں تھے۔

سید علی حسن کی قبر

جن دو قبروں پر کتبے تھے، اُن میں سے ایک قبر سید علی حسن کی تھی۔ اس قبر کے کتبے پر بس یہ عبارت درج تھی۔

سید علی حسن صاحب مرحوم

۱۳ ھ ۳۲

اس نام سے یہ سنہ برآمد نہیں ہوتا۔ غالباً نام کے نیچے سنِ وفات لکھ دیا ہے۔ سید علی حسن کے بارے میں بشیر الدین احمد صاحب نے لکھا ہے: "آپ (سید علی حسن) اٹاوے کے رہنے والے اور نواب محسن الملک بہادر مرحوم کے چچازاد بھائی تھے۔ حیدر آباد دکن میں ایک زمانے میں آپ کا طوطی بولتا تھا۔ بڑے قابل، دین دار اور ذی خلق، صاحبِ فیض عام تھے۔ ہر کہ و مہ آپ کا ثنا خواں تھا۔ جس طرح نواب محسن الملک، نواب وقار الملک و امثالہم حیدر آباد سے علاحدہ ہوئے، آپ کو بھی علاحدہ ہونا پڑا۔ وہاں سے آکر کچھ دنوں آپ اندور میں ایک معزز و ممتاز عہدے پر رہے اور پھر جاودرے کے مدار المہام ہو گئے۔ آپ نے سرطان سے دلّی میں انتقال کیا۔ قبر آپ کی بہت معمولی سنگِ باسی کی ہے، نہ کوئی عمدہ کتبہ ہے۔ حالاں کہ اب بھی آپ کے بہت سے عزیز قریب بڑے بڑے عہدوں پر ہیں۔ مثلاً مولوی سید حسین بلگرامی نواب عماد الملک آپ کے سمدھی آپ کے دامادِ محمد عقیل بلگرامی نواب عقیل جنگ بہادر کمشنر حیدر آباد دکن۔ مرزا نذیر بیگ صاحب نواب نذیر جنگ بہادر معتمد افواج مولوی سید امیر حسن صاحب تعلقہ دار برادر کہین نواب محسن الملک بہادر سب ہی خدا کے فضل سے موجود ہیں۔ ان صاحبوں کی ادنا توجہ سے مرحوم کی قبر عمدہ پیمانے پر بن سکتی ہے۔ مگر توجہ درکار ہے:

یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سب کو
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے

سجاد کی قبر

اس لائین کی دوسری قبر پر جو کتبہ تھا، اس پر صرف چار لفظ کندہ تھے:

ھُوَ اے دریغا سجاد (کذا)

پانچویں قطار میں۔ پانچ قبریں تھیں، لیکن کسی پر کتبہ نہیں تھا۔
چھٹی لائین میں چھے قبریں تھیں، ان میں سے صرف دو پر کتبے لگے ہوئے تھے۔

ولایتی خانم کی قبر

کتبے کی عبارت تھی:

۱۲۶۸ء

بتاریخ پانزدھم رمضان
رحلت
ولایتی خانم صاحب نمود

بیباجان کی قبر

داہنی طرف سے پانچویں قبر تھی۔ کتبے کی عبارت تھی:

بہ حکمِ حق سوے جنت برفت بیبا جان
بہ بست رخت ز دارِ فنای کہنہ رباط
ندا رسید ز ہاتف بسالِ تاریخش
ملال دوا بہ کہ تیرہ نمود بزم نشاط

جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ مجلس خانے کے اندر کی تمام قبریں ہموار کر دی گئی ہیں۔ ان قبروں کے کچھ کتبے دیواروں پر نصب کر دیے گئے ہیں۔

سجاد کی قبر کا کتبہ "اے دریغا سجاد" مجلس خانے کی شمالی دیوار کے وسط میں (باہر کی طرف) لگا دیا گیا ہے۔ کبریٰ بیگم کے مزار کا کتبہ مجلس خانے کی شمالی دیوار (اندر کے رخ) وسط میں نصب کر دیا گیا ہے۔

مجلس خانے کے دوسرے دالان کے مغربی حصے میں تین کتبے لگے ہوئے ہیں۔ پہلا کتبہ سیدہ خاتون کی قبر کا، دوسرا نواب سید ظہیر الدین حیدر اور تیسرا احمد میر کی قبر کا ہے۔

سیدہ خاتون اور محمد میر کی قبریں قدیم تھیں۔ اُن کے کتبے نقل کیے جا چکے ہیں۔
نواب سید ظہیر الدین حیدر کی قبر ۱۹۲۹ء میں بنی تھی، اور غالباً کسی کتاب میں یہ کتبہ نقل نہیں ہوا۔ کتبے کی عبارت یہ ہے:

هُوَ الحَیّ

کُلُّ مَن عَلَیھَا فَان

سید ستودہ صفات نواب سید ظہیر الدین حیدر عرف نواب سید محمد مرزا تحصیلدار کہ ۱۱ جمادی الثانی ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۴ء از ولادتش چشمہاے والدین روشن کردہ بود۔ آہ کہ بتاریخ ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۹۲۹ء کہ بر سفر آخرت بستہ از داغ فراقش زخم بر دلِ پسماندگان نہاد و داخل اعلیٰ علیین شد۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون

جاوید خاں کی قبر

عشرت علی خاں کے مجلس خانے سے جنوب کی طرف ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر نواب بہادر جاوید خاں کی سنگِ مرمر کی قبر تھی۔ اب اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں ہے "مسلم اور ہندو آثار قدیمہ کی فہرست جلد دوم (انگریزی)" میں اس قبر کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ قبر سات فٹ لمبی، دو فٹ تین انچ چوڑی اور دو فٹ اونچی ہے۔ قبر دو چبوتروں پر بنی ہوئی ہے۔ نچلا چبوترا تیس فٹ نو انچ مربع اور تین فٹ اور چھے انچ اونچا ہے۔ یہ چبوترا لال پتھر کا ہے۔ اس چبوترے پر ایک اور چبوترا سنگِ مرمر کا ہے، جو تیرہ فٹ دس انچ مربع ہے اور ڈیڑھ فٹ اونچا ہے۔ دونوں چبوتروں میں اس طرح کے نشان ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان پر کٹہرے تھے۔ جنھیں گاؤں کے لوگ اکھاڑ کر لے گئے۔"[1]

مجلس خانہ نواب قدسیہ

علی گنج کے شمالی دروازے کی پیشانی پر سنگِ مرمر کی تختی لگی ہوئی اور جس پر کتبہ نصب تھا۔ (جس کا ذکر کیا جا چکا ہے)، اُس کتبے میں لکھا تھا کہ نواب قدسیہ نے شاہ مرداں میں مجلس خانہ بھی تعمیر کرایا تھا۔ یہ مجلس خانہ قدم شریف کی پشت پر مغرب کی جانب تھا۔ "دہلی کے مسلم اور ہندو آثارِ قدیمہ کی فہرست" میں اس مجلس خانے کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ: "یہ مستطیل ہال ہے، جس کی لمبائی ۴۷ فٹ ۶ انچ اور چوڑائی ۱۶ فٹ ۴ انچ ہے۔ اس کی چھت کڑیوں کی ہے اور اوپر سے ہموار ہے۔ یہاں ہر مہینے کی چاند کی بیس تاریخ کو مجلس ہوتی ہے۔ اس ہال کے جنوب کی طرف ایک کمرہ ہے

اکیس فٹ چھ انچ لمبا اور انیس فٹ چار انچ چوڑا ہے"۔ مجلس خانہ اب شکستہ حالت میں ہے، اس لیے یہ مجلسیں عشرت علی کے امام باڑے میں ہوتی ہیں"۔[1]

بشیر الدین احمد نے شاہ مرداں کے اندر جہاز نامی ایک عمارت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ "اس (بی بی فاطمہ کی چکی) سے ملا ہوا ایک بہت وسیع کشادہ اور بلند دالان ۲۷ فٹ × ۱۹½ فٹ ہے۔ اس دالان کا دروازہ ۸ فٹ ۔ ۱۰ انچ چوڑا اور بہت اونچا ہے۔ اس دالان میں رنگ کا کام تھا جواب برائے نام باقی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ دالان کسی سوداگر نے جب اس کی منت پوری ہوئی تو باظہار تشکر بنوایا اور اس کا نام جہاز رکھا۔ وجہ تسمیہ کوئی کچھ کہتا نہیں۔ میرے خیال میں چوں کہ یہ دالان بہت بڑا ہال ہے اور جہاز کی شکل کا لمبا چلا گیا ہے۔ عجب نہیں کہ بہ لحاظ ہیئت کذائی جہاز کے نام سے موسوم کیا گیا ہو۔ اس کا ایک دروازہ باہر واز رستے پر بھی ہے اور ایک سہ دری بھی اسی کے متعلق تھی، جس کے تین در باقی ہیں۔ اس مکان میں جو ندرت ہے وہ یہ ہے کہ اس کی چھت کڑیوں کی ہے اور باوجود امتداد زمانے کے چوبینہ علی حالہ قائم ہے، جو شہتیر دروازے پر بطور سردل کے دیا گیا ہے۔ اُس کو دیکھنے سے اس کی غیر معمولی جسامت اور سبطری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چھت اوپر سے سپاٹ ہے۔ اٹھارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے"۔[2]

"دہلی کے مسلم اور ہندو آثار قدیمہ کی فہرست" میں جس مجلس خانے اور "واقعات دارالحکومت" میں جس جہاز نامی عمارت کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ وہ تقریباً ایک ہے۔ "فہرست" میں مجلس خانے کا سائز ۲۷ فٹ ۱۶ انچ لمبا اور ۱۹ فٹ ۱۶ انچ چوڑا بتایا گیا ہے، جب کہ "واقعات دارالحکومت" میں یہ سائز ۲۷ فٹ × ۱۹½ فٹ ہے۔ ان دونوں حضرات کے بیانات میں یہ فرق بھی ہے کہ بشیر الدین احمد نے لکھا ہے کہ کوئی منت پوری ہونے پر کسی سوداگر نے یہ عمارت بنائی تھی میرا ذاتی خیال ہے کہ وہی عمارت ہے جسے مجلس خانے کے طور پر نواب قدسیہ نے بنایا تھا، ممکن ہے کہ وہ مجلس خانے کی عمارت کی حالت خراب ہو گئی ہو اور کسی سوداگر نے اس کی مرمت کرائی ہو۔ اور پھر یہ عمارت سوداگر ہی کے نام سے منسوب ہو گئی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عشرت علی خاں کا تعمیر کردہ

مجلس خانہ جس جگہ ہے، وہیں نواب قدسیہ کا تعمیر کردہ مجلس خانہ ہو۔ اُس کے منہدم ہونے کے بعد عشرت علی خاں نے نیا مجلس خانہ تعمیر کیا ہو۔ اس کا امکان نہیں کہ دونوں ساتھ بنے ہوں، کیوں کہ نواب قدسیہ نے ۱۷۴۷ء کے آس پاس مجلس خانہ تعمیر کیا تھا اور عشرت علی خاں نے ۱۸۰۸ء میں۔ اس کا امکان بہت کم ہے کہ پچاس ساٹھ سال کی مدت میں عمارت منہدم ہو گئی ہو پھر درگاہ میں اتنی کم جگہ ہے کہ کسی اور مقام پر مجلس خانہ بنایا ہی نہیں جا سکتا تھا۔

اس مجلس خانے یا جہاز میں دو قبریں تھیں، جو معدوم ہو چکی ہیں۔ بشیر الدین احمد نے ان دونوں قبروں کے کتبے نقل کیے ہیں۔

خورشید علی رضوی کی قبر

اس قبر کے سرہانے کتبہ ہے۔

هُوَ المستعان میر خورشید علی رضوی تعزیہ دار بہ عمر ۵۲ سال در شب جمعہ بتاریخ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ رحلت نمود۔

کربلائی بیگم کی قبر

اس قبر کے سرہانے کتبہ ہے، اس پر کندہ ہے:

سَلَامٌ عَلَیکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ × فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّار هٰذَا القبرُ × المُتَوَفّیه المنذر فِی رَحمَتِهِ × کربلائی بیگم الفاتحۃ لَهَا اَجَرکُمُ اللّٰهُ × فی

۲۴ ر شعبان المظفر ۱۳۳۲ھ۔

مولوی سید علی حسن کی قبر

بشیر الدین احمد نے "واقعات دار الحکومت دہلی" (جلد سوم، ص ۷۰۱) میں مجلس خانے اور اُس سے متصل کچھ قبروں کا نقشہ دیا ہے۔ اس نقشے سے پتا چلتا ہے کہ مجلس خانے کی شمالی دیوار کے مغربی کونے میں چہار دروازے کے متصل، سنگ باسی کی جو قبر ہے اور جس پر کتبہ نہیں ہے، وہ مولوی سید علی حسن کی قبر ہے۔

نواب مبارک محل بیگم کا مقبرہ اور باغ

شاہ مرداں کے مشرقی دروازے سے ملحق محمد اکبر شاہ غازی کی والدہ نواب مبارک محل بیگم کا مقبرہ اور باغ تھا۔ اب مقبرہ ہے نہ باغ۔[1]

نواب قدسیہ کی مسجد

درگاہ شاہ مرداں کے احاطے میں، قدم شریف کے شمال مغرب میں ایک مسجد ہے، جس پر کتبہ نہیں ہے، اس لیے پورے یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن گمان غالب ہے
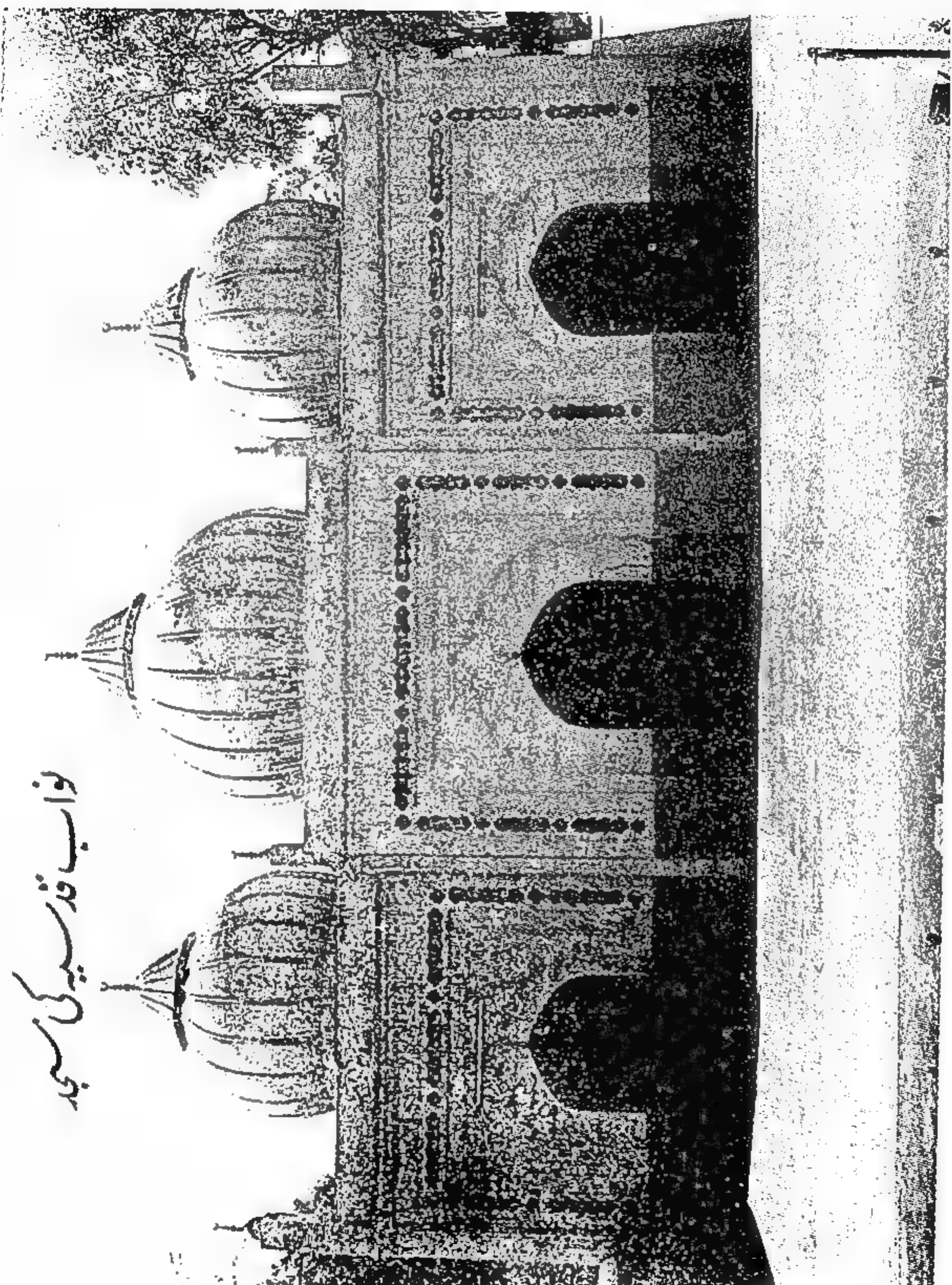
نواب قدسیہ کی مسجد

کہ یہی وہ مسجد ہے جسے نواب قدسیہ نے تعمیر کیا تھا اور جس کا ذکر اُس کتبے میں تھا، جو علی گنج کے صدر دروازے پر نصب تھا۔ میرے اس گمان کی بنیاد یہ ہے کہ قدم شریف کا احاطہ، مجلس خانہ اور یہ مسجد تینوں درگاہ شریف کے احاطے میں ہیں۔ مجلس خانہ اور قدم شریف نواب قدسیہ نے تعمیر کرایا تھا۔ تو یہ مسجد بھی انھوں نے ہی بنوائی ہوگی "مسلم اور ہندو آثار قدیمہ کی فہرست" میں بھی اس مسجد کو نواب قدسیہ کی مسجد بتایا گیا ہے۔ یہ مسجد چونے اور پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ اس کے تین سفید گنبد اور تین محرابی در ہیں۔ مسجد ۴۲½ فٹ لمبی اور ۱۲ فٹ چوڑی ہے۔ بشیر الدین احمد نے اس کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی ہے: "درگاہ کے احاطے کے اندر جہاز کے پیچھے بجانب شمال ایک مسجد ہے، جس کے تین گنبد اور تین در ہیں۔ مسجد طول و عرض میں ۴۲½ فٹ × ۱۲ فٹ ہے۔ چار سیڑھیوں کا منبر ہے۔ سامنے چبوترا ۴۴ فٹ × ۱۵½ ہے، جس پر گما اینٹ کا فرش ہے۔ بیچ کا در ۸½ فٹ اونچا اور ۵ فٹ ۷ انچ چوڑا ہے۔ کلس گنبدوں کے ٹوٹ گئے ہیں۔ صحن کے آگے سنگِ سرخ کا ایک حوض ۲۸½ فٹ لمبا اور ۱۵ فٹ چوڑا ہے۔ ۲ فٹ عمیق ہے جس کے بیچ میں ایک فوارہ بھی سنگِ سرخ کا ہے۔ اب یہ حوض مٹی سے اٹ گیا ہے" فہرست میں بتایا گیا ہے کہ یہ حوض ۳۱ فٹ ۱۹ انچ لمبا اور ۱۴ فٹ ۱۳ انچ چوڑا ہے۔ پندرہ بیس سال قبل یہ حوض پاٹ دیا گیا ہے۔ مسجد کے صحن میں کچھ اور زمین ملا کر اسے اور وسیع کر دیا گیا اور مسجد میں باقاعدہ نماز شروع کر دی گئی۔ مسجد کا تہ خانہ بھی ہے، جس میں آج کل رہائش ہے۔

عیسیٰ خاں کی باغیچی

دہلی میں جن آثارِ قدیمہ کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا، اُن میں عیسیٰ خاں کی باغیچی ہے "واقعاتِ دارالحکومت دہلی" غالباً واحد کتاب ہے، جس میں اس باغیچی کی تفصیلات دی گئی

ہیں۔ بشیرالدین احمد لکھتے ہیں کہ "علی گنج کے حصار کے اندر ایک وسیع اور پختہ احاطہ ہے، جس کے اندر کچھ درخت ہیں، وہ علیسیٰ خاں کی باغیچی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ایک معمولی سا دروازہ شرقی رویہ ہے۔ اندر ایک تین در کا پختہ دالان ہے، جس کی بغل میں دو طرفہ ایک ایک حجرہ ہے۔ دروازے کے سامنے ایک پختہ کنواں ہے۔ احاطے کی دیوار میں دس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ اب اس میں کمہار لوگ جھونپڑیاں ڈال کر رہتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ علیسیٰ خاں کون تھے۔ وہی تو نہیں، جن کا مقبرہ اور مسجد ہمایوں کے مقبرے کے پاس ہے"۔[1]

نواب ابراہیم بیگ کا مزار

مرزا سنگین بیگ کے قول کے مطابق درگاہ شاہ مرداں میں نواب ابراہیم بیگ خاں کی قبر تھی۔ اس قبر پر سنگِ باسی کی لوح پر خطِ نستعلیق میں کندہ تھا:

نواب ابراہیم بیگ خاں بہادر خلف احتشام الدولہ

نواب اسماعیل بیگ خاں بہادر × فیروز جنگ بتاریخ پنجم جمادی الثانی × ۱۲۴۴ھ ہجری وفات یافت۔[2]

اس قبر کے بارے میں بشیرالدین احمد لکھتے ہیں: "پختہ فرش کو چھوڑ کر خام صحن میں جو برج کائنہ حضرت فاطمہ اور جہاز کی عمارت کے سامنے ہے، صرف ایک قبر کی لوح پر جو سنگِ باسی کی ہے، یہ کتبہ بہ خطِ نستعلیق ہے"۔[3] اس کے بعد کتبہ نقل کیا گیا ہے۔

مرزا نجف خاں اور اُن کا مقبرہ

مرزا نجف خاں بہادر ۱۷۳۷ء میں اصفہان میں پیدا ہوئے۔ یہ صفدر جنگ کے بڑے بھائی مرزا محسن کے سالے تھے۔ نجف خاں کی بہن کا نام مسماۃ بیگم تھا۔ نجف خاں بہن کے ساتھ ہندوستان آئے۔ الہ آباد کے شاہی قلعے کے داروغہ محمد قلی تھے۔ مرزا نجف نے محمد قلی کی ملازمت اختیار کرلی۔ جب شجاع الدولہ نے بہانے سے بلاکر محمد قلی کو قتل کردیا تو نجف خاں بنگال چلے گئے اور نواب قاسم علی خاں کے ملازم ہوگئے۔ بکسر کی لڑائی کے بعد نجف خاں نے انگریزوں کی خدمت انجام دی۔ فروری ۱۷۶۵ء میں انگریزوں نے الہ آباد پر قبضہ کرلیا تو لارڈ کلایو نے نجف خاں کو کوڑا کا جہاز آباد کا فوج دار مقرر کیا اور دو لاکھ روپے سالانہ پنشن مقرر کردی۔ ۱۷۷۱ء میں شاہ عالم بادشاہ الہ آباد سے دلی آئے تو انگریزوں نے نجف خاں کو ساتھ بھیجا۔ یہ مغلوں کے انحطاط اور زوال کا زمانہ تھا۔ نجف خاں نے لاکھوں کی تعداد میں فوج تیار کی۔ صمصام الدولہ شاہنواز خاں کا کہنا ہے کہ اگرچہ نجف خاں کے پاس زیادہ خزانہ نہیں ہے لیکن فوج عمدہ اور بہت زیادہ ہے اور جو کچھ اس کے ہاتھ آتا ہے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کردیتا ہے اُن کی دلداری کرتا ہے[۱]۔" مرزا نجف نے روہیلوں اور جاٹوں کی سرکوبی کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ اپنی کوششوں میں کافی حد تک کامیاب ہوا۔ لیکن زوال کے پہیے کو کوئی روک نہیں سکا۔ مرہٹوں سے مرزا نجف خاں کی لڑائیوں کا ذکر کرتے ہوئے ذکاءاللہ نے لکھا ہے: "اگرچہ یہ لڑائی مرہٹوں کی ضابطہ خاں کے ساتھ تھی، مگر اس میں نجف خاں نے بڑا نام پایا۔ واقعی وہ ناموری کے لائق ہی تھا[۲]۔"

لیکن میر تقی میر نے "ذکرِ میر" میں لکھا ہے کہ "وہ جوان تھا اور شاہ جہاں آباد (دلی) تو ایک طلسم خانہ ہے۔ یار دوستوں نے عیش و عشرت کی جانب مائل کردیا۔ مکروہات کے استعمال اور عورتوں کی ہم جلیسی میں اتنا منہمک ہوا کہ بدن سے طاقت زائل ہوگئی۔ آخر مرض سل میں گرفتار ہوگیا۔ طبیبوں نے علاج میں بہتیرے ہاتھ پیر مارے لیکن؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

جب (زندگی سے) مایوس ہوگیا تو بڑی حسرت سے کہتا تھا کہ؎

"میں کچھ نہیں چاہتا بس اتنی تمنّا ہے کہ زندہ رہ جاؤں۔"[1]

مولوی محمد ذکا اللہ نے لکھا ہے کہ "۲۶ راپریل ۱۷۸۲ء کو نجف خاں کا انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت اُن کی عمر ساٹھ برس تھی۔"[2] نجف خاں کی لاش کو شاہ مرداں میں دفن کیا گیا۔ اور نجف خاں کے پس ماندگان نے مزار پر ایک معقول مقبرہ تعمیر کرا دیا۔ جہاں اس وقت نجف خاں کا مقبرہ ہے، اُسے کسی زمانے میں موضع مجاہد پور کہتے تھے۔ کئی تذکرہ نگاروں نے مرزا نجف خاں پر یہ الزام لگایا ہے کہ اس نے مرزا مظہر کو محض اس لیے قتل کرا دیا کہ وہ سنّی تھے۔ میں نے ۱۹۶۲ء میں مرزا مظہر کے فارسی خطوط کا اُردو ترجمہ "مرزا مظہر جانجاناں کے خطوطؒ کے نام سے مرتّب کر کے شائع کیا تھا۔ میں نے اس کتاب کے دیباچے میں لکھا تھا کہ: "(مرزا مظہر) کے مریدوں میں بہت بڑی تعداد روہیلوں کی تھی یہ وہ لوگ تھے جو مغل حکومت کے لیے برابر خطرہ بنے ہوئے تھے۔ نجف خاں کے زمانے میں روہیلوں کا بہت زیادہ زور ہو گیا تھا۔ دلّی کے اکثر گلی کوچوں میں آباد ہو گئے تھے۔۔۔۔ دلّی میں روہیلوں کا سب سے بڑا مرکز مرزا کی خانقاہ تھی۔ اس لیے نجف خاں کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ مرزا کو قتل کرا دیتا۔"[3] مرزا کا قتل انتہائی افسوسناک واقعہ ہے لیکن مذہبی نہیں سیاسی قتل ہے۔

مقبرہ مرزا نجف خاں

شاہ مرداں کے مغرب میں تھوڑے فاصلے پر نجف خاں روڈ ہے۔ اگر ہم کربلا کی طرف سے جائیں تو ایک طرف لودی کالونی کے کواٹرز ہیں اور دوسری طرف (مغرب کی جانب) مرزا نجف خاں کا مقبرہ ہے، جو ۱۷۸۲ء کے آس پاس بنا تھا۔ کسی زمانے میں اس مقام کو موضع مجاہد پور کہتے تھے۔ مقبرے کا صدر دروازہ مشرق کی طرف ہے۔ پورا دروازہ گر چکا ہے، صرف بائیں طرف کا پاکھا باقی ہے۔ دروازے کے اندر داخل ہونے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دروازے پر دو منزلہ عمارت تھی جو گر چکی ہے اور دونوں طرف دس دس سیڑھیوں کے زینے تھے۔ دائیں طرف کا زینہ بالکل گر چکا ہے بایاں زینہ بھی بہت شکستہ حالت میں ہے، صرف ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں باقی ہیں۔
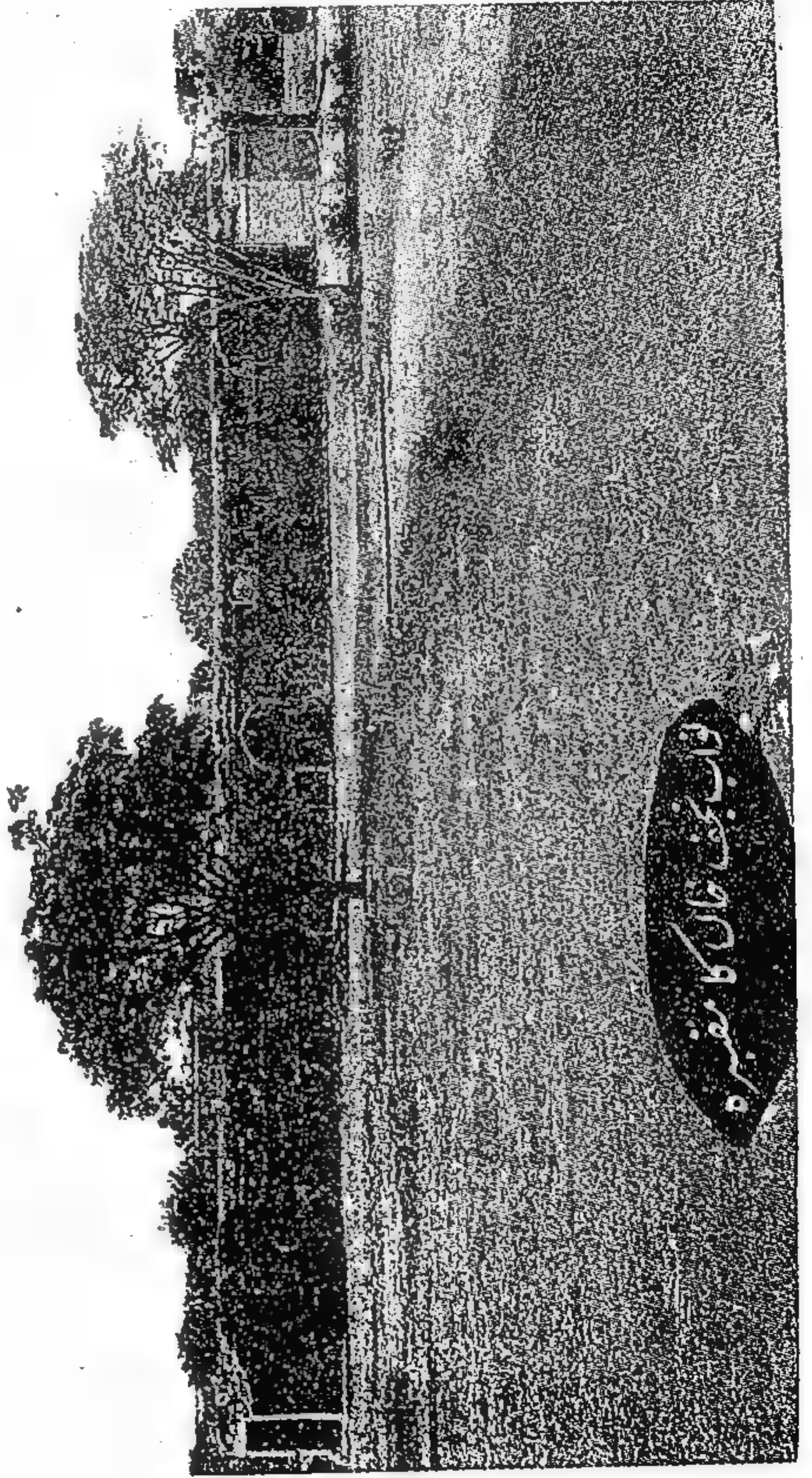
نواب نجف خاں کا مقبرہ

مقبرے کا احاطہ غیر معمولی طور پر وسیع ہے اور اس کے چاروں طرف فصیل نما دیوار ہے۔ چاروں طرف کی دیوار کا اوپری حصہ گر چکا ہے۔ مشرقی دیوار کا کچھ حصہ اوپر تک بچا ہوا ہے۔ یہاں چار دیواری ۱۵ فٹ اونچی اور ساڑھے چار فٹ چوڑی ہے۔

احاطے کے اندر اور مقبرے کے چاروں طرف بہت وسیع میدان ہے، جس پر گھاس اگی ہوئی ہے، حال ہی میں کہیں کہیں درخت بھی لگائے گئے ہیں۔ مقبرے کے چاروں طرف بہت خوبصورت باغ لگایا جا سکتا ہے۔ مگر نہ جانے کیا مصلحت ہے کہ اتنے بڑے باغ میں پھولوں کا ایک بھی پودا نظر نہیں آتا۔ مقبرے پر کوئی ایسی تختی نہیں لگائی گئی، جس سے مقبرے اور مرزا نجف کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو سکتی ہوں۔

احاطے کے بیچوں بیچ نو فٹ اونچا ایک چبوترا ہے چبوترے کے اوپر جانے کے لیے مشرقی دروازے کے دونوں طرف نو نو سیڑھیوں کے دو زینے ہیں۔ یہ چبوترہ نوے مربع فٹ ہے۔ اس چبوترے پر ایک اور اکتالیس فٹ نو انچ لمبا اور ساڑھے بائیس فٹ چوڑا ایک اور چبوترا ہے۔ اس چبوترے پر دو تعویز ہیں۔ ایک تعویز اس جگہ ہے، جہاں نیچے مرزا نجف خاں کا مزار اور دوسرا تعویز اس مقام پر ہے جہاں مرزا نجف خاں کے مزار کے مغرب میں ایک حجرے میں دو قبریں ہیں۔

تعویزوں والے چبوترے کو بائیس فٹ اور انیس فٹ نو انچ کے دو حصوں میں اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ دونوں تعویز الگ الگ ہو گئے ہیں۔ اس چبوترے کی حال ہی میں مرمت ہوئی ہے نجف خاں کے تعویز پر بدرپور اور سیمنٹ کا معمولی اور گھٹیا قسم کا پلاسٹر کر دیا گیا ہے۔ مقبرے پر کوئی گنبد نہیں ہے۔ اس چبوترے کی چاروں طرف کی دیواریں سنگِ سرخ کی تھیں، بہت سے پتھر گر چکے ہیں۔ چاروں کونوں پر ہشت پہلو برجیاں اور ان کے نیچے ۸ فٹ قطر کے ہشت پہلو حجرے ہیں۔ ۱۹۱۹ء (سنہ تالیف واقعات دارالحکومت) تک یہ برجیاں موجود تھیں اب یہ چاروں برجیاں گر چکی ہیں۔ ان کے نیچے کے حجروں پر لوہے کی سلاخوں کے دروازے لگا کر انھیں مرمت کے سامان کے سٹور کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ اصل قبر تک پہنچنے کے لیے چاروں سمتوں

میں چار دروازے تھے۔ شمال کے دروازے پر تیغا لگا دیا گیا ہے۔ مغرب اور مشرق کے دروازوں پر لوہے کی سلاخوں کے دروازے لگا دیے گئے ہیں۔ جنوب کی طرف کے دروازے پر لکڑی کا ایک عارضی قسم کا دروازہ لگا دیا گیا ہے۔ جس میں تالا پڑا رہتا ہے۔

مقبرے کا صدر دروازہ مشرق رویہ ہے۔ اپنے انداز کا یہ مقبرہ بہت عجیب و غریب ہے۔ قبر تک جانے کے لیے صدر دروازے سے جب داخل ہوتے ہیں تو ایک چھتے سے گزرنا پڑتا ہے۔ اندر کا نقشہ بشیر الدین احمد صاحب نے بنایا ہے، اسی انداز کا پیش کیا جاتا ہے۔
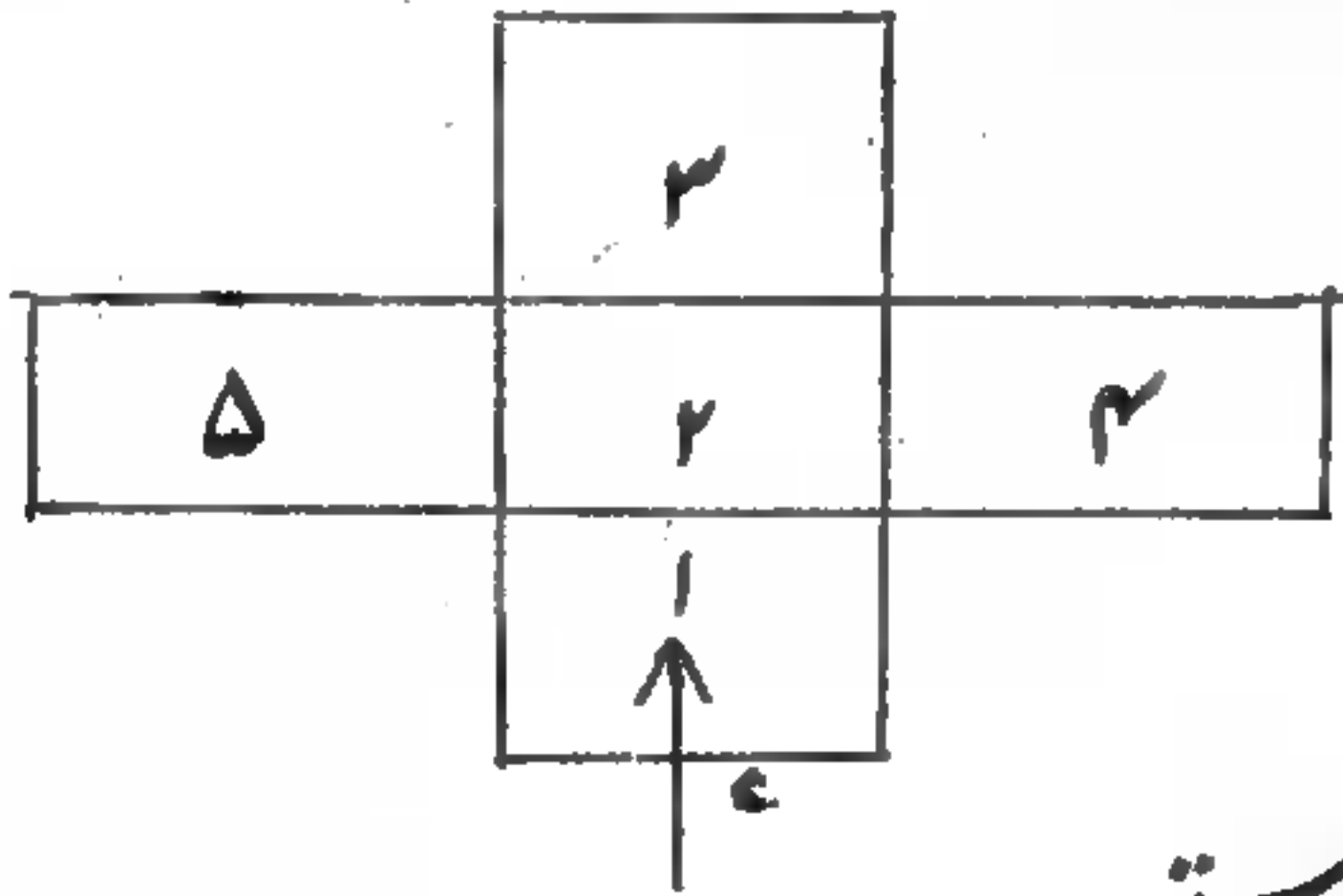
۱۔ اندر جانے کا راستہ
۲۔ مرزا نجف خاں اور اُن کی صاحبزادی کی قبر۔
۳۔ ۴ اور ۵ نجف خاں کے لواحقین کی قبریں

چھتے میں دونوں طرف کی دیواروں پر پانچ پانچ طاق ہیں۔ اس چھتے سے گزر کر ہم ایک ہشت پہلو کمرے میں آتے ہیں۔ جس میں سنگ مرمر کے چبوترے پر دو قبروں کے تعویز ہیں۔ پہلی قبر مرزا نجف خاں کی ہے اور دوسری اُن کی صاحبزادی فاطمہ کی۔ اس کمرے میں چھے روشن دان ہیں، جن کی وجہ سے خاصی روشنی ہے۔

قبروں کے باقاعدہ تعویز نہیں ہیں بلکہ سنگِ مرمر کی سلیں رکھی ہوئی ہیں۔ جن پر سنگِ موسیٰ کے حروف کی پچی کاری سے کتبے لکھے گئے ہیں۔ مرزا نجف خاں کے مزار کا کتبہ خاصی خراب حالت میں تھا۔ کتبہ پڑھنے کے لیے مجھے گیلے کپڑے سے کتبے کو صاف کرنا پڑا۔ بعض اشعار کے الفاظ بھی بگڑ گئے ہیں۔ اس کے برعکس فاطمہ کی قبر کا کتبہ بالکل محفوظ ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کچھ ہی دن پہلے لکھا گیا ہو، دونوں کتبوں کی عبارت بہت خوش نما انداز میں نستعلیق میں

لکھی گئی ہے۔ مرزا نجف خاں کے مزار کے کتبے کی عبارت یہ ہے۔

ھو الحی الذی لایموت

این چرخ کج نہاد کمان پشت، بر سہام
کز سہم حادثات لنسازد خطا ہدف
زد بر نشانہ اشرفِ سادات راکہ بود
نسلِ سیادتِ صفوی را ازو شرف
شایستہ میوۂ شجرِ باغِ ہشت وچار
پاکیزہ جوہر دو گوہر دُرّ نہ صدف
بخشی الملوک امیر نجف خانِ شیر دل
کشور کشاے ہند بتائیدِ لاتخف
آن اشجعی کہ دست چو بردے بذوالفقار
سلطانِ لافتاش ستودے زہے خلف
بادا جلیس بدو رسلِ ختم مرسلین
باجدِّ خویش کاشفِ اسرار لوکشف
زد کلکِ وحی توام عالی بخاکِ او
بتاریخ سالِ را رقم "این تربتِ نجف"[1]

۱۱۹۶ھ

نواب نجف خاں کی صاحبزادی فاطمہ کے بارے میں ہماری معلومات بہت محدود ہیں۔
سید کمال الدین حیدر نے لکھا ہے کہ: "نواب نجف خاں کی دو بیٹیاں بڑی مرزا غیاث الدین محمد خاں سے چھوٹی مرزا محمود خاں احمد خاں کے بیٹے سے منسوب تھیں[2]"

نواب نجف خاں کی جن صاحبزادی کا نام فاطمہ تھا اور جن کا مزار نواب کے مزار سے متصل ہے۔ اُن کے بارے میں مرزا سنگین بیگ نے لکھا ہے کہ فاطمہ بیوی تھیں بخشی محمود خاں کی۔ فاطمہ بخشی محمود خاں کی بیٹی تھیں یا زوجہ۔۔۔ اس پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ فاطمہ کے مزار پر درج ذیل تاریخِ وفات کندہ ہے۔

ھوالحی الذی لایموت

فغاں کہ رفت ازیں خاکدانِ غم بنیاد
فرشتہ خوے نکو بانوے خجستہ نہاد
زہے محبہ ہمنام بنتِ پیغمبر
بروحِ فاطمہ زہرا حفتش بیامرزاد
بدل فداے ولاے علی عالی قدر
نثار و والہ نام ائمہ امجاد
کہ بود بنتِ نجف خاں میر بخشیِ ہند
۱۲۳۶
بجاے منزلِ پاکاں خداش جا بدہاد
کشیدم آہ و عیاں گشت مصرعِ تاریخ
"علی و فاطمہ روزِ جزا شفیعش باد"
۱۲۳۶

جس کمرے میں مرزا نجف خاں اور اُن کی صاحبزادی کی قبر ہے، اس کے جنوب میں ایک اور ہشت پہلو کمرہ ہے، جس میں ایک چبوترے پر دو قبروں کے سنگِ پاسی ہیں۔ ان پر کتبے نہیں ہیں۔ شمال اور جنوب کی طرف تیغے لگا دیے گئے ہیں، جنوبی کمرے میں مرزا سنگین بیگ کے قول کے مطابق اشرف الدولہ افراسیاب کی قبر ہے۔

صفدر جنگ

مرزا مقیم المخاطب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ، نواب سعادت خاں برہان الملک کا بھانجا (بڑی بہن کا بیٹا) تھا۔ برہان الملک نے مرزا مقیم کو نیشاپور سے بلا کر اپنی سب سے بڑی بیٹی صدر جہاں بیگم کی اس سے شادی کر دی تھی۔ برہان الملک کی سفارش پر محمد شاہ بادشاہ نے مرزا مقیم کو ابوالمنصور خاں صفدر جنگ کے خطاب سے نوازا۔

نادر شاہ دلّی میں تھا، جب برہان الملک کا انتقال ہوا۔ صفدر جنگ نے نادر شاہ سے درخواست کی کہ وہ محمد شاہ سے سفارش کر کے انھیں اودھ کا صوبے دار مقرر کرا دیں۔ اس عہدے کے صلے میں نادر شاہ کو دو کروڑ روپے دینے کا وعدہ کیا۔ نادر شاہ نے یہ درخواست قبول کر لی۔ اور دو کروڑ روپے لے کر صفدر جنگ کو اودھ کا صوبے دار مقرر کرا دیا۔

صفدر جنگ نے اودھ کے بن جی زمیں دار کے بھائیوں کو شکست دے کر مطیع کر لیا۔ ۱۷۴۲ء میں محمد شاہ کے حکم پر صوبۂ بنگالہ کے ناظم علی وردی خاں کی مدد کے لیے پٹنے گیا۔ ۱۷۴۳ء میں محمد شاہ نے صفدر جنگ کو دہلی بلا کر توپ خانے کا داروغہ مقرر کیا۔ ۱۷۴۶ء میں جب عمدۃ الملک امیر خاں کا انتقال ہو گیا تو صفدر جنگ الہ آباد کا بھی صوبے دار مقرر ہوا۔ محمد شاہ کے انتقال کے بعد احمد شاہ تخت نشین ہوا۔ تو کچھ ہی عرصے میں بادشاہ نے صفدر جنگ کو وزیر اعظم کے عہدے پر فائز کر دیا۔ صفدر جنگ روہیلوں کی طاقت سے بہت خائف تھا۔ اس نے پہلے روہیلوں کو آپس میں لڑا دیا۔ پھر احمد شاہ بادشاہ کو ساتھ لے کر احمد خاں بنگش پر چڑھائی کر دی۔ احمد خاں کی ماں نے ساٹھ لاکھ روپے پر سمجھوتہ کر لیا اور لڑائی ٹل گئی۔ کچھ ہی دن بعد صفدر جنگ

سورج مل جاٹ کو ساتھ لے کر احمد خاں بنگش پر چڑھائی کی اور اُسے شکست فاش ہوئی۔

دلّی میں نواب بہادر جاوید خاں خواجہ سرا کو حکومت کے معاملات میں بہت اقتدار حاصل تھا۔ چوں کہ جاوید خاں کو احمد شاہ بادشاہ اور اُن کی والدہ نواب قدسیہ کے مزاج میں بہت دخل تھا۔ اس لیے صفدر جنگ نے ایک دن جاوید خاں کو گھر بلا کر قتل کرا دیا۔ بادشاہ کو صفدر جنگ کا یہ فعل بہت ناگوار گزرا۔ صفدر جنگ کو وزارت کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا اور قمر الدین خاں کے لڑکے انتظام الدولہ خانخاناں کو وزیر بنا دیا گیا۔ انتظام الدولہ اور صفدر جنگ میں چھے مہینے تک لڑائی ہوئی اور آخر میں اس شرط پر صلح ہو گئی۔ کہ اودھ الہ آباد کا صوبہ صفدر جنگ پر بحال کر دیا گیا۔

محمد نجم الغنی خاں کے بیان کے مطابق "کچھ عرصے بعد صفدر جنگ کے پشت پا میں بہت بڑا دانہ نکلا اور آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ پنڈلی تک پہنچ گیا۔ آخر مادہ سرطانی ہو گیا۔ ۱۷ ذی الحجہ ۱۱۶۷ھ مطابق ۵ اکتوبر ۱۷۵۴ء کو مقام پاپڑ گھاٹ میں قریب سلطان پور کے، کہ تین منزل لکھنؤ سے ہے، انتقال کیا۔ . . . اول گلاب باڑی فیض آباد میں مدفون ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد ان کی لاش نکال کر دلّی کو لے گئے اور روضۂ شاہ مرداں کے متصل دفن کیا۔"[۱] صفدر جنگ کی لاش کو فیض آباد سے لا کر دلّی میں شاہِ مرداں کے شمال مغرب میں دفن کرنے کا مطلب شاہِ مرداں سے عقیدت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس کا قوی امکان ہے کہ خود صفدر جنگ کی وصیت کے مطابق ایسا کیا گیا ہو۔ نجم الغنی نے یہ بھی لکھا ہے کہ: حکیم مرزا بھجو جدا مجد مسیح الدولہ سفیرِ شاہی ہڈیاں مرحوم کی کربلائے معلّی لے گئے۔"[۲] اگر نجم الغنی کا یہ بیان درست ہے تو اس کا مطلب ہے کہ صفدر جنگ کے مقبرے میں صفدر جنگ کی لاش نہیں ہے۔
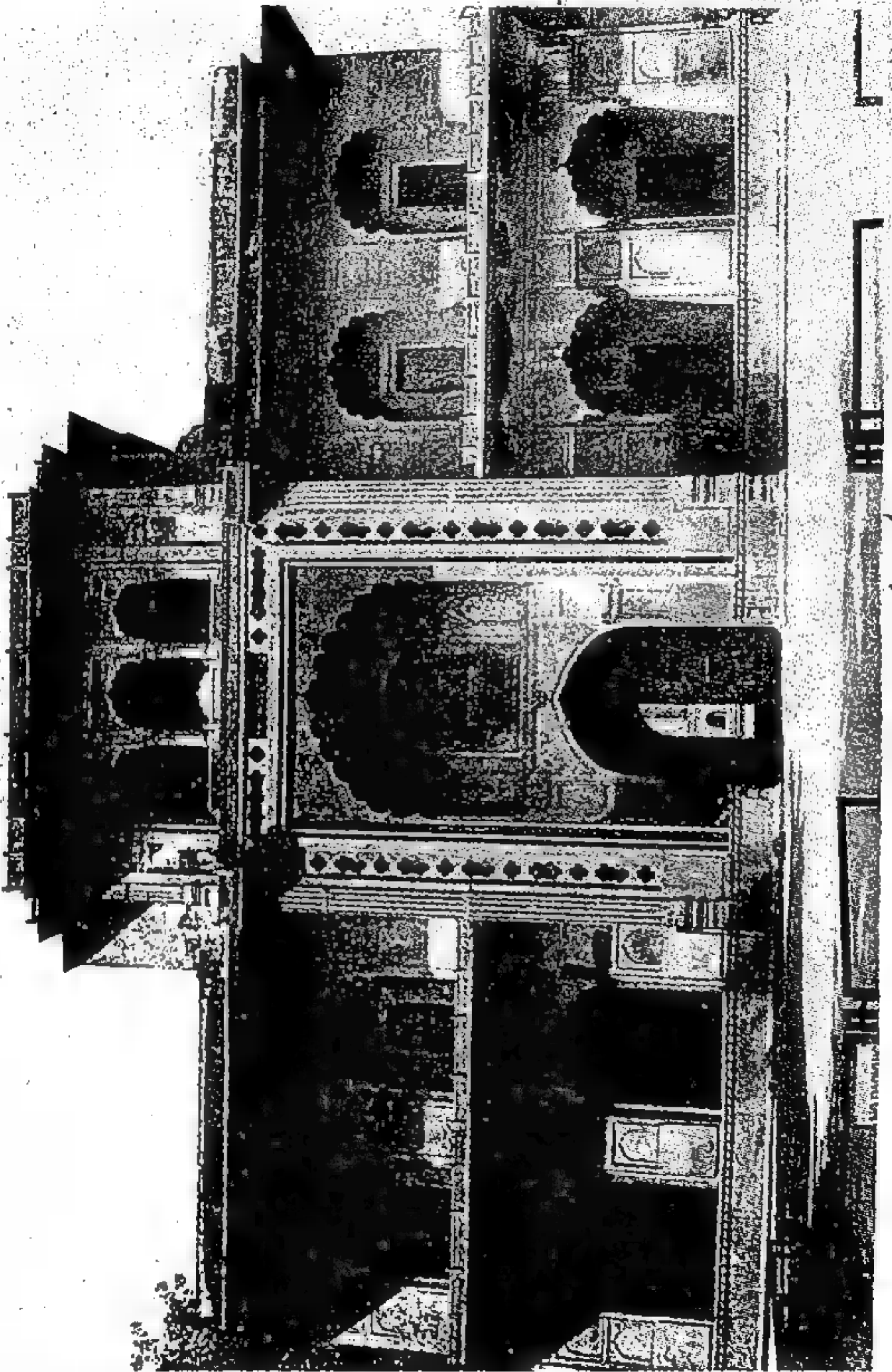
صفدر جنگ کے مقبرے کا دروازہ

صفدر جنگ کے مقبرے کی مسجد
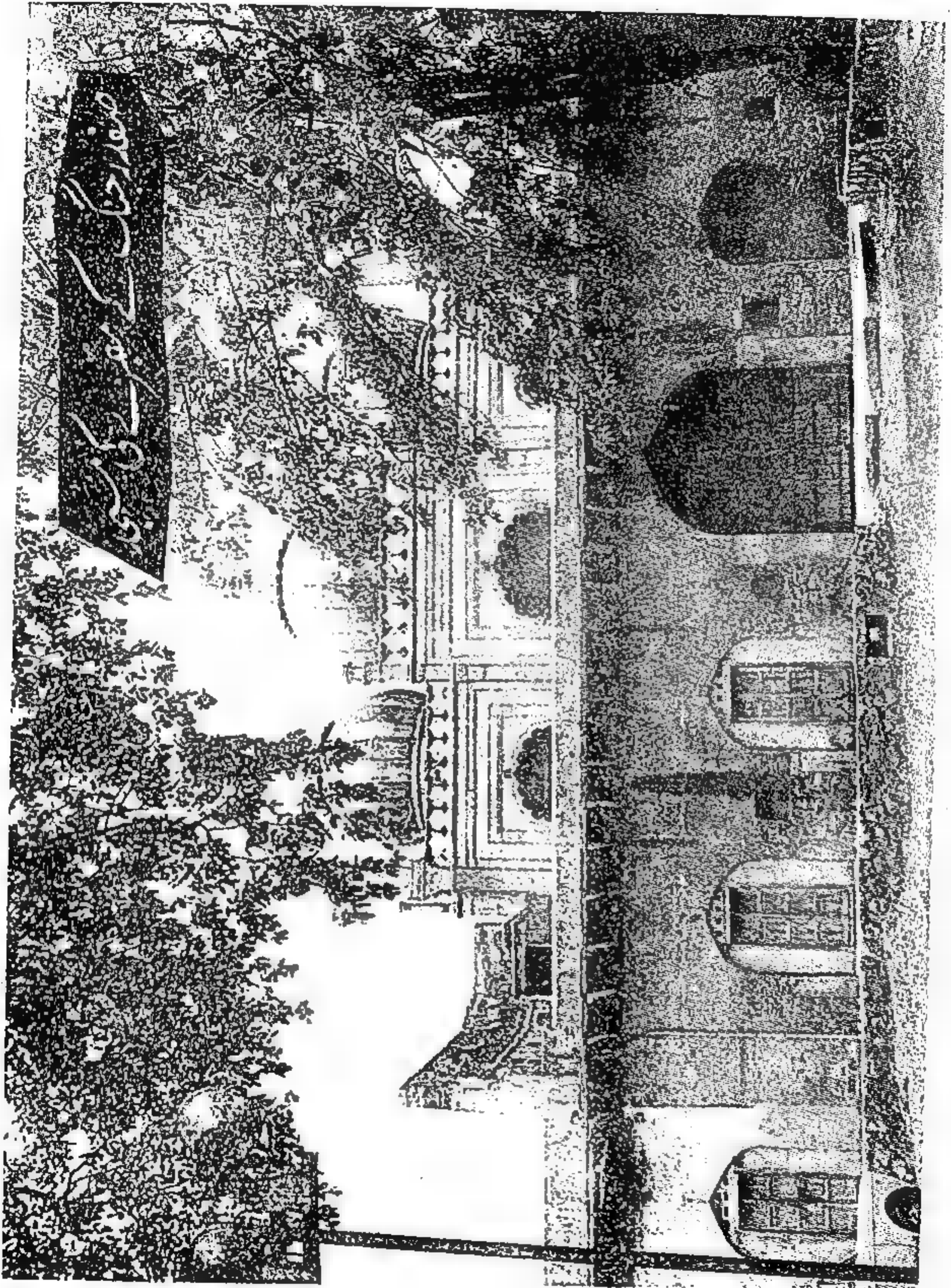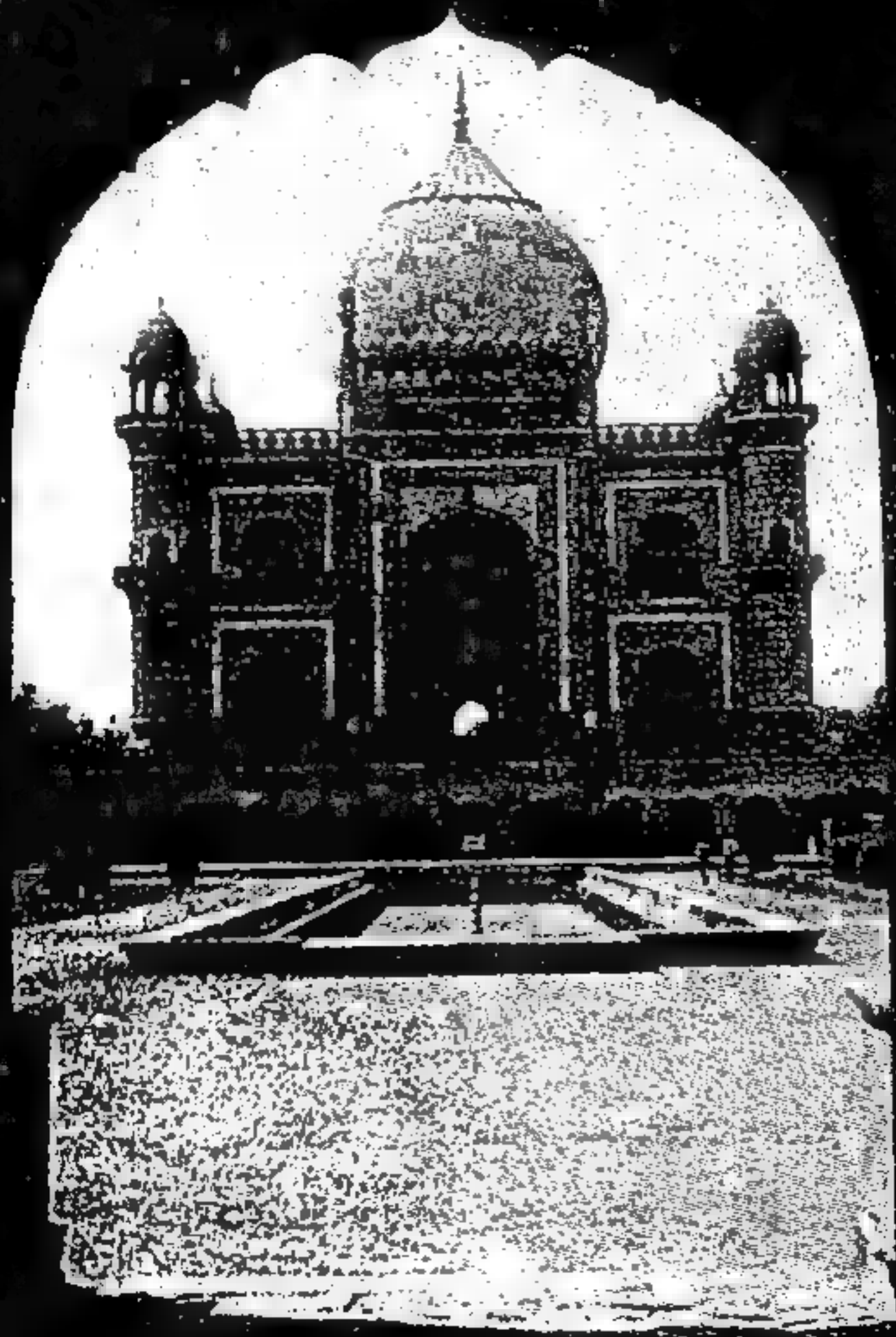
صفدر جنگ کا مقبرہ

صفدر جنگ کا مقبرہ

کہا جاتا ہے کہ مغلوں کے شاہی خاندان کی بنائی ہوئی آخری خوبصورت اور اہم عمارت "مقبرہ رابعہ دورانی" ہے، جو اورنگ آباد میں ہے۔ اس مقبرے کو "بی بی کا مقبرہ" بھی کہا جاتا ہے۔ چوں کہ یہ عمارت تاج محل سے بہت مشابہت رکھتی ہے۔ اس لیے اسے "دکن کا تاج" بھی کہا جاتا ہے۔

رابعہ دورانی، اورنگ زیب کی بیٹی تھی۔ اس مقبرے کو شہزادہ اعظم شاہ نے اپنی ماں کی یاد میں بنوایا تھا۔ بہ قول غلام ربانی مرحوم اس مقبرے کی تعمیر میں موزونی اور تناسب بلا کا ہے اس میں نفاست اور نزاکت اس درجہ ہے کہ عمارت میں نسوانیت پیدا ہوگئی ہے[1]

عہدِ مغل کی آخری عظیم عمارت "صفدر جنگ کا مقبرہ" ہے جسے دلّی والے "منصور کا مقبرہ" یا منصور کا مدرسہ کہتے تھے۔

مقبرہ رابعہ دورانی کی طرح صفدر جنگ کے مقبرے میں تاج محل سے بہت مشابہت ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان دونوں عمارتوں کے معماروں نے تاج محل کا نمونہ بناتے ہوئے بھی اپنی انفرادیت قائم رکھی ہے۔

"صفدر جنگ کے صاحبزادے شجاع الدولہ نے بلال محمد خاں کے اہتمام میں یہ مقبرہ بنوایا تھا۔ اس پر تین لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ خانخاناں کے مقبرے سے سنگِ مرمر اکھاڑ کر اس مقبرے میں لگایا تھا۔ اس کے علاوہ پتھر اور عمارت سازی کا اور سامان کچھ اور عمارتوں سے بھی حاصل کیا گیا تھا"[2]

شجاع الدولہ نے صفدر جنگ کا مقبرہ، ہمایوں کے مقبرے کے جواب میں بنایا تھا۔ ہمایوں کا مقبرہ مشرق میں اور اس کا رخ مغرب کی طرف ہے۔ جب کہ صفدر جنگ کا مقبرہ مغرب میں اور اس کا رخ مشرق کی طرف ہے۔ گویا یہ دونوں مقبرے ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔ دونوں کا طرزِ تعمیر ایک ہی سا ہے، اگرچہ تفصیلات میں بہت فرق ہے۔ دونوں عمارتوں میں بنیادی فرق یہ ہے۔ ہمایوں کا مقبرہ مغلوں کے عہدِ عروج میں اور صفدر جنگ کا عہدِ زوال میں بنا تھا اور پھر بہ قول بشیرالدین احمد دونوں مقبروں میں وہی فرق ہے جو بادشاہ اور وزیر کے مقبروں میں ہونا چاہیے۔

تین ہزار گز مربع باغ کے بیچوں بیچ ایک چبوترے پر یہ مقبرہ ہے۔ باغ کے چاروں طرف اٹھارہ فٹ اونچی چار دیواری ہے، جس کے چاروں کونے پر ہشت پہل مینار ہیں۔ باغ کے چاروں کونوں پر ہشت پہلو برج بنے ہوئے ہیں، جن میں تین طرف لال پتھر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ مشرقی دیوار کے وسط میں صدر دروازہ ہے۔ یہ دروازہ لکڑی کا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر کے وقت جو دروازہ لگایا گیا تھا۔ وہی ابھی تک محفوظ ہے۔ دروازے کے دونوں طرف دو دو حجرے ہیں۔ اس کی پہلی منزل پر بارہ دری ہے اور باہر کے رُخ پر شہ نشین ہے۔ دوسری منزل پر سہ دری ہے۔ مقبرے میں جو مسجدیں بنائی جاتی تھیں وہ اکثر مقبرے کی مغربی دیوار سے متصل ہوتی تھیں یا مقبرے کے اندر کسی اچھے مقام پر واقع ہوتی تھیں لیکن صفدر جنگ کے مقبرے میں مسجد چار دیواری کی مشرقی دیوار میں صدر دروازے سے متصل بنائی گئی ہے۔ مقبرے میں مسجد کی تعمیر کا یہ انداز دنیا میں کہیں نہیں ملتا۔ گویا مقبرے کے ساتھ اپنے انداز کی یہ پہلی اور آخری مسجد ہے۔ مسلم اور ہندو آثارِ قدیمہ کی فہرست (جلد دوم) میں کہا گیا ہے کہ غالباً مقبرہ تیار ہونے کے بعد مسجد کا خیال آیا، اس لیے اُسے مشرقی دیوار سے متصل اور صدر دروازے سے قریب بنا دیا گیا۔ مجھے اس خیال

سے اتفاق نہیں ہے اگر مقبرے میں صفدر جنگ کے مزار کے پاس کھڑے ہو کر چاروں طرف دروں میں سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مقبرے کے اصل پلان میں چار دیواری کی ہر دیوار کے وسط میں ایک عمارت بنائی گئی ہے۔ مشرقی دروازے پر بارہ دری ہے۔ جنوبی دیوار، مشرقی دیوار اور شمالی دیوار میں بالکل ایک ہی انداز کی عمارتیں تعمیر کی گئی ہیں۔ ان تینوں عمارتوں کے نام بالترتیب موتی محل، جنگلی محل اور بادشاہ پسند ہیں۔ اس لیے چار دیواری کے اندر مسجد کی گنجائش نہیں تھی اور پھر مسجد کو صدر دروازے سے متصل بنانے میں جدت بھی تھی۔ مسجد کا دروازہ مقبرے کی چار دیواری کی مشرقی دیوار سے ہے۔ یہ دروازہ لکڑی کا ہے۔ اس کی حالت دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہی دروازہ ہے، جو تعمیر کے وقت لگایا گیا تھا مسجد کے دروازے کے دونوں طرف شمال اور جنوب میں سات سات حجرے ہیں۔ شمال کی طرف کے آخری حجرے میں بکنگ آفس کھلا ہوا ہے۔ مسجد کے دروازے پر آج کل تالا پڑا رہتا ہے۔ اس بند دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی ایک خوبصورت حوض ہے، جو سنگِ لبست کا بنا ہوا ہے۔ حوض میں سنگِ سرخ کا فوارہ ہے، جو شکستہ حالت میں ہے۔ اب حوض میں پانی نہیں رہتا۔ حوض پہلی منزل پر اور دوسری منزل پر مسجد۔ حوض کا یہ انداز بھی کہیں اور میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس کا پورا امکان ہے کہ اپنے انداز کا دنیا میں یہ واحد حوض ہو۔ حوض کے سامنے مشرقی دیوار میں شمال اور جنوب دونوں طرف سولہ سولہ سیڑھیوں کے زینے ہیں، جن سے ہم مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔

مسجد کا فرش سرخ چوکوں کا ہے۔ فرش کو غور سے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چوکے وہی ہوں گے جو تعمیر کے وقت لگائے گئے تھے۔

مسجد سنگِ سرخ اور سنگِ باسی کی بنی ہوئی ہے۔ اور اس کے تین کنگڑی دار

محرابی در ہیں۔ رو کار پر محراب کے گرد پہلے لال پتھر اور پھر سنگ مرمر کی عمودی پٹیاں اس طرح پڑی ہوئی ہیں کہ وہ لال پتھر اور سنگِ مرمر کے حاشیے بن گئے ہیں۔ جو بہت خوبصورت لگتے ہیں۔

مسجد کا صحن چھیاسٹھ فٹ لمبا اور ستاون فٹ چوڑا ہے۔ دالان ساڑھے پینتالیس[۴۵] فٹ لمبا اور چودہ فٹ چار انچ چوڑا ہے۔ دالان کے دونوں طرف دو حجرے ہیں ساڑھے بارہ فٹ لمبے اور پانچ فٹ نو انچ چوڑے ۔ مسجد کے تین گنبد ہیں۔ ان گنبدوں کو جن چبوتروں پر بنایا گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک سولہ پہلو کا ہے۔ بشیر الدین احمد نے تین سیڑھیوں کے سنگ باسی کے بنے ہوئے منبر کا ذکر کیا ہے، وہ آج بھی محفوظ ہے شمالی دیوار کے مشرقی کونے پر بیس سیڑھیوں کا زینہ ہے، جو مسجد کی چھت پر جاتا ہے۔ مسجد کے صدر دروازے میں داخل ہوں تو دونوں طرف یعنی شمال اور جنوب میں دو حویلیاں ہیں اور ان کے صحن ہیں۔ ان دونوں حویلیوں کو "خواص پورہ" کہا جاتا ہے۔

یہ مقبرہ تقریباً تین ہزار مربع گز زمین پر بنا ہوا ہے۔ سرسید نے لکھا ہے کہ مقبرے کی چار دیواری میں "بہت تحفہ باغ ہے" آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا نے بہت خوبصورت لان بنا رکھے ہیں۔ چار دیواری کے تین (شمالی، مغربی اور جنوبی) دیواروں کے وسط میں جو بادشاہ پسند، جنگلی محل اور موتی محل نام کی عمارتیں ہیں، ان میں سے دو میں آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کے دفاتر ہیں۔ جنگلی محل خالی پڑا ہوا ہے، لیکن دروازے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ عرصے پہلے تک یہ عمارت استعمال میں تھی۔ سرسید کے زمانے میں ان میں پانی تھا۔ اب مقبرے کے چاروں طرف لمبے لمبے حوض ہیں۔ جن میں لال پتھر کے شکستہ فوارے ہیں۔ غالباً انہی کو سرسید نے نہریں کہا ہے۔

باغوں کے بیچوں بیچ ایک سو انہتر مربع فٹ کا چبوترہ ہے، جو ساڑھے تیرہ فٹ اونچا ہے۔ اوپر جانے کے لیے چبوترے کے مشرق میں تیرہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ اس

چبوترے پر اصل مقبرے کے لیے تین فٹ اونچی کرسی دی گئی ہے۔ یہ کرسی تقریباً ایک سو دس مربع فٹ ہے۔

مقبرے کی روکار کی پیشانی پر سنگِ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے:

یا اللہ

چوں آں صفدرِ عرصۂ مردمی
زدارِ فنا رحلت گزین
چنیں سالِ تاریخ او شد رقم
کہ بادا مقیم بہشتِ بریں

۱۱۶۷

مقبرے کی روکار میں سنگِ سرخ، سنگِ باسی اور سنگِ مرمر کا استعمال کیا گیا ہے۔ مقبرہ ساٹھ مربع فٹ ہے۔ بیچ میں ساڑھے ستائیس مربع فٹ کا کمرہ ہے جس میں صفدر جنگ کی قبر کا سنگِ مرمر کا تعویذ ہے۔ اس کمرے کا فرش سنگ مرمر کا ہے اس کمرے کے چاروں طرف آٹھ کمرے ہیں، جن میں سے چار مربع اور چار ہشت پہل ہیں۔ چار دروازے ہیں۔ مشرقی دروازے کی دہلیز پر اندر کی طرف فرش پر آٹھ فٹ سات انچ لمبی اور ایک فٹ پانچ انچ چوڑی، سنگِ مرمر کی سل لگی ہوئی ہے۔ جس میں بہت خوبصورت پچی کاری کی گئی تھی۔ اب کھدے ہوئے پھولوں کے نشان باقی ہیں۔ چند پھولوں پر سرخ اور سبز رنگوں کے پتھروں سے کی گئی پچی کاری باقی ہے۔ اس پچی کاری کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں نے ضربیں لگا لگا کر رنگین پتھر نکالنے کی کوشش کی ہے سب پتھر نکل گئے اور ٹھوڑے سے رہ گئے۔ دہلیز پر پچی کاری کی ایسی سل بھی کہیں اور میری نظر سے نہیں گزری۔ یہ بھی ایک جدت ہے۔ اس مقبرے کے بارے میں ایک دلچسپ ترین بات کا، میرے خیال سے، کسی ماہر آثار قدیمہ نے ذکر نہیں کیا۔ اسلام میں مصوری

ناجائز سمجھی جاتی ہے، اس لیے مسلمانوں کی عمارتوں پر انسانوں، جانوروں یا پرندوں کی تصویریں بہت کم ملتی ہیں۔ مندر کے پتھر استعمال کیے گئے ہوں تو بات دوسری ہے۔ مسجد قوۃ الاسلام اور میرٹھ کی مسجد میں مندروں کے پتھر لگائے گئے ہیں۔ جن پر آدمیوں اور جانوروں کی تصویریں ہیں۔ لیکن میری نظر سے اب تک دو ایسے مقبرے گزرے ہیں جن پر پرندوں کی تصویریں ہیں۔ ایک تو خان خاناں کا مقبرہ۔ اس مقبرے کے باہر کی مغربی دیوار کے شمالی کونے پر اب بھی مور کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح جس کمرے میں صفدر جنگ کی قبر کا تعویز ہے اس کے چاروں دروں کے اندر کی دیوار پر چونے کے پلاسٹر میں ایسی تصویریں بنائی گئی ہیں۔ جو پہلی نظر میں پھول معلوم ہوتی ہیں۔ غور سے دیکھو تو وہ صراحی لگتی ہیں لیکن زیادہ غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ گردن اٹھائے ہوئے بگلے ہیں۔ ہر دہلیز کے دونوں طرف ایک ایک تصویر ہے۔ اس طرح آٹھ بگلوں کی تصویریں ہیں۔ میں نے ٹھٹھ کے ایک مقبرے میں بھی پرندوں کی تصویریں دیکھی ہیں۔ جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

مقبرے کے گرد جو مربع اور ہشت پہل کمرے ہیں۔ اُن کی چھتیں لداؤ کی ہیں اور اُن میں گلکاری کا ابھرا ہوا کام کیا گیا ہے۔ تعویز والے کمرے کے چاروں طرف چار خوبصورت نشیمن ہیں۔ مقبرے کی چھت، گنبد اور میناروں کی تفصیل بشیر الدین احمد کی زبانی سنیے۔ وہ لکھتے ہیں: اب اوپر کی سیر کیجے۔ پہلی منزل تک پہنچنے کے لیے پچیس سیڑھیاں ہیں۔ اور دوسری منزل کی بیس درمیانی منزل کے چوطرف زینے ہیں اور دوسری میں صرف ایک جانب۔ گنبد کو دہرا سمجھیے، اوپر چھت پر بھی ایک نہایت خوش نما برج بنا ہوا ہے۔ اور اس کا وہ قبہ ہے، جو دور سے سفید سفید نظر آتا ہے۔ اس برج کے چار دروازے ۸ فٹ ۔ ۸ اونچے تھے۔ ۱۰ انچ چوڑے ہیں۔ اس طرح چار دروازے اور چار دیوار دوز محرابیں، جملہ آٹھ ہوئیں۔ برج میں تین سیڑھیاں چڑھ کر داخل ہوتے

ہیں۔ ۲۹ف قطر ہے۔ ہر مثمن ضلع ۸ف۔ ۱۰اِ ہے۔ گنبد کی بیرونی بندش سنگِ مرمر کی سلوں کی ہے،
جن کی کلاسی اس خوب صورتی اور نفاست سے ملائی ہے کہ دور سے ایک سفید انڈا
معلوم دیتا ہے، مگر اب کئی سلیں نکل گئیں۔ اُن کی بجائے سنگ خارا کی سلیں لگا کر تھوپا
تھاپی کر دی ہے۔ یعنی کم خواب میں گاڑھے کا پیوند لگایا ہے، جو چغلی کھاتا ہے مگر
اب تو یہ پیوند بھی لبا غنیمت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو گنبد بیٹھ ہی جاتا۔ یہ گنبد کوٹھی
دار اور پھیلا ہوا ہے مگر بھدا ہے۔ وہ سڈول پنا اور نزاکت جو ہمایوں کے مقبرے
کے گنبد میں ہے اس میں نہیں۔ چھت کے چاروں کونوں پر ایک ایک ہشت
دری برجی سنگ سرخ کی ہے۔ جس کی چار سیڑھیاں ہیں۔ ان برجیوں پر سنگِ مرمر
کا کلس ہے۔ سرخی میں سفیدی عجیب لطف دیتی ہے۔ برجیوں کا قطر ۹½ف جن کا
ہر در ۲ف۔ ۵اِ اونچا اور ۲ف۔ ۱۰اِ چوڑا ہے۔ باہر ۲ف۔ ۳اِ کا حاشیہ اس کے آگے ۱ف۔ ۵اِ
اونچا سنگِ سرخ کا جالی دار کٹہرا۔ دروازوں پر بڑی خوبصورت ہشت دری
چار سیڑھی اونچی دو طرف ہے، جس کے (۹) طاق نما در آگے اور (۹) پیچھے۔ بیچ میں
۴ف۔ ۸اِ کا فصل۔ ان دروں کی اونچان ۸ف۔ ۱۰اِ اور چوڑان ۲ف۔ ۱۱اِ اور محرابیں بنگڑی دار۔ جس
منڈیر پر یہ در بنے ہوئے ہیں وہ ۲½ف اونچی ہے۔ ان دروں پر کنول کے پھول کے
اوپر تو چھوٹی چھوٹی برجیاں مع کلس سنگ مرمر کی ہیں۔ جیسے لالٹینوں کے ہنڈے۔ اسی
قسم کی برجیاں قلعے اور جامع مسجد کے دروازوں پر بھی ہیں۔ سامنے چبوترا ۱۳ف۔ ۱۰اِ
× ۷ف × ۱۰اِ ہے جو ۲ف۔ ۸اِ اونچا ہے۔ اوپر کی منزل مع جالی دار کٹہرے کے ۲۷ف بلند اور
نیچے کی منزل بھی اسی کے برابر۔ اب نیچے آئیے تو تہ خانہ ہے، جو اسی بلند چبوترے
کے نیچے بنا ہوا ہے۔ چاروں طرف سترہ سترہ در ہیں۔ بائیں طرف سے گیارہویں
در میں چبوترے پر چڑھنے کی سیڑھیاں ہیں۔ چودھویں اور پندرھویں در کے بیچ
میں کنواں ہے (یہ کنواں بند کر دیا گیا ہے۔ خلیق) .... ساتویں در

"میں تہ خانے کا راستہ ہے، جس کے حجرے میں یکے بعد دیگرے پچھے دروازے طے کر کے پہنچتے ہیں۔ یہ حجرہ جس میں اصلی قبریں ہیں۔ ۲۲ فٹ ۱/۲ مربع ہے۔ اس میں دو کچی قبریں ہیں مگر اوپر ایک ہی ہے۔"[۱]

بخشی الملک اشرف الدولہ افراسیاب کی قبر

مرزا سنگین بیگ نے اس قبر کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نواب نجف خاں کے مزار کے جنوب میں بخشی الملک اشرف الدولہ افراسیاب کی قبر ہے۔ جس کے سرہانے یہ کتبہ ہے۔

ھُوالغفُور

بسم اللہِ الرحمٰنِ الرَّحیمِ

بخشی الملک اشرف الدّولہ بنام افراسیاب
بردرِ شاہِ نجف نزدِ نجف خاں آرمید
زیب تشریفِ شہادت قامتش گردید و گفت
سالِ آں سیّد کہ "وی محشور با شاہِ شہید"

۱۱۹۹ھ

ہفدہم شہر ذی الحجہ یوم سہ شنبہ، سال بست و ششم جلوس شاہ عالم بادشاہ غازی انار اللہ برہانہ[1]

انجمن حیدری

درگاہ شاہ مرداں کے انتظامات کے لیے "گلدستۂ حیدری" نام سے تنظیم قایم کی گئی۔ کچھ ہی دنوں بعد اس تنظیم کا نام بدل کر "انجمن حیدری" رکھ دیا گیا۔
بہ قول آغا مرزا ۱۹۴۷ء میں "انجمن حیدری" قایم ہوئی۔ انجمن قایم کرنے والوں میں سید عابد علی مرحوم، آغا مرزا، سید مظفر حسین مرزا مرحوم، آغا علی مرزا مرحوم، نیاز احمد مرحوم وغیرہ شامل تھے۔

۱۹۵۴ء میں انجمن کو رجسٹر کرایا گیا۔

نواب زین یار جنگ اور کرنل بشیر حسین زیدی کو انجمن کا سرپرست بنایا گیا۔ کرنل زیدی کو کربلا شاہ مرداں کا چیرمین بھی منتخب کیا گیا۔ زیدی صاحب آج تک اس عہدے پر کام کر رہے ہیں۔

اب تک جو حضرات اس انجمن کے صدر رہے ہیں، اُن کے نام ہیں۔ سب سے پہلے صدر سید عابد علی مرحوم تھے۔ اُن کے بعد سید حسین علی جعفری، سید مظفر حسین زیدی، سید عسکری رضوی مرحوم، سید ابوالکلام قیصر زیدی رہے ہیں، زیدی صاحب کا کچھ مہینے قبل انتقال ہو گیا ہے۔ اُن کی جگہ سید محمود حیدر نقوی قایم مقام صدر ہیں۔ انجمن کے سکریٹریوں میں آغا مرزا، سید اولاد ساقی مرحوم، ڈاکٹر مرزا باقر مہدی، سید عسکری رضوی مرحوم، امرت حسین مرحوم، سید ذوالفقار احمد (موجودہ)

انجمن کے بہی خواہوں میں ہندو مسلم، شیعہ اور سنی سب ہی لوگ رہے ہیں۔ کچھ حضرات

کے نام ہیں پنڈت ویاس دیو مصرا، سر فضل علی، مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا نذیر قریشی
ہمایوں مرزا، جسٹس مرتضٰی فضل علی، مولانا سید سلیمان عباس، مولانا احمد سعید،
پنڈت گوپی ناتھ امن وغیرہ۔

علی گنج کی فصیل اور دوسری عمارتوں کا انہدام

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان سے پناہ گزین دلّی آئے تو ان کو دلّی کے مختلف مقامات پر کیمپ لگا کر عارضی طور پر بسایا گیا۔ پرانے قلعے، ہمایوں کے مقبرے، صفدر جنگ کے مقبرے، کوٹلہ فیروز شاہ۔ غرض بیشتر آثار قدیمہ میں پناہ گزین آباد ہو گئے تھے۔ شاہ مرداں میں بہت بڑی تعداد میں پناہ گزین آباد ہو گئے۔ یہ بدنصیب لوگ ہمیشہ عارضی کیمپوں میں نہیں رہ سکتے تھے، ان کے لیے مستقل رہائش کا انتظام اس طرح کیا گیا کہ دلّی کے مختلف حصوں میں انھیں چھوٹے چھوٹے پلاٹ دیے گئے یا اُن کے لیے کوارٹر بنائے گئے۔ پرانا قلعہ، فیروز شاہ کوٹلہ، ہمایوں اور صفدر جنگ کے مقبرے جیسی اہم عمارتیں تو خالی کرادی گئیں، لیکن علی گنج کی فصیل اور اس کے تمام آثارِ قدیمہ ڈھا کر وہاں پناہ گزینوں کے لیے کوارٹر بنا دیے گئے۔ شاہ مرداں کی عمارتیں ڈھانے کا پس منظر یہ تھا کہ ۱۹۱۱ء میں برطانوی حکومت نے صفدر جنگ کے ہوائی اڈے کو وسیع کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ اس مقصد کے لیے حکومت نے کربلا اور شاہ مرداں کی تمام زمین پر قبضہ کر لیا اور اس وقت کے متولی اور اُن کے رشتہ داروں کو مناسب معاوضہ دے دیا۔ آزادی کے بعد مسلمانوں کا دعوٰے تھا کہ کربلا اور درگاہ شاہ مرداں اور اس علاقے میں بنی

ہوئی مسجدوں اور دوسری عمارتوں پر مسلمانوں کا حق ہے۔ حکومت کا کہنا تھا کہ برطانوی حکومت نے یہ تمام زمین معاوضہ دے کر ۱۹۱۱ء میں حاصل کر لی تھی۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کا کہنا تھا کہ برطانوی حکومت نے تو ۱۸۵۷ء میں پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیا تھا تو کیا برطانوی حکومت کو ملک واپس کر دیا جائے۔ خیر یہ تو بحث و مباحثے کی بات ہے۔ طریقۂ کار یہ ہونا چاہیے تھا کہ ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دی جاتی جو دیکھتی کہ کن عمارتوں کو محفوظ کرنا ضروری ہے اور کن عمارتوں کو ڈھانے سے کوئی نقصان نہیں۔ پھر ان عمارتوں اور قبروں کے کتبے نیشنل میوزیم میں محفوظ رکھے جاتے۔ ایسا کچھ نہیں کیا گیا۔ اس زمانے کے آباد کاری کے وزیر مہر چند کھنہ نے انتہائی بے دردی سے تمام عمارتوں کو گروا دیا۔ رامپور کے نواب حامد علی خاں صاحب، کرنل بشیر حسین زیدی، مولانا زبیر قریشی، مولانا حفظ الرحمن، مولانا احمد سعید، خواجہ حسن نظامی، اور حضرت امام حسین کے معتقد جیٹس دیاس دیو مصرا کی کوششوں سے کچھ عمارتیں بچ گئیں۔ درگاہ شاہ مرداں میں پناہ گزین آباد تھے اور مہر چند کھنہ نے یہ درگاہ شہید کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ ابھی کام شروع نہیں ہوا تھا کہ اس زمانے کے دلّی کے چیف کمشنر جناب شنکر پرشاد نے اس علاقے کا دورہ کیا۔ انھوں نے درگاہ خالی کرائی۔ درگاہ کی چار دیواری گرائی جا چکی تھی۔ کربلا پر بھی قبضہ ہو چکا تھا۔ شنکر پرشاد صاحب نے اسے بھی خالی کرایا۔ درگاہ شاہ مرداں کے اندر اور اُس کے باہر چاروں طرف اور کربلا میں بے شمار مقبرے اور قبریں ایسی تھیں جن پر بیش قیمت سنگِ مرمر لگا ہوا تھا۔ اس علاقے میں رہنے والے ایک بزرگ کرشن کمار جی نے مجھے بتایا کہ وہ عمارتیں ڈھانے کے عینی شاہد ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ مہینوں تک لوگ ٹرک بھر بھر کر سنگِ مرمر یہاں سے لے گئے ہیں۔

درگاہ شاہ مرداں کی مجلسیں

قدیم زمانے سے درگاہ شاہ مرداں میں پابندی سے مجلسیں منعقد ہوتی رہیں۔ غالباً اب تک جو کتابیں میری نظر سے گزری ہیں۔ اُن میں غالباً "مرقع دہلی" قدیم ترین کتاب ہے۔ جس میں ان مجلسوں کا ذکر ہے۔ نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں نے "مرقع دہلی" میں لکھا ہے۔

"امیرالمومنین کا قدم شریف قلعہ بادشاہی (لال قلعہ) سے تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ سعادت اخروی حاصل کرنے کے لیے زائرین ہفتے کے دن جوق در جوق عازمِ زیارت ہوتے ہیں...... بارہویں محرم خامس آلِ عبا کی زیارت کا دن ہے۔ اس روز لوگ دلِ محزوں اور چشمِ گریاں کے ساتھ اس مکانِ خلد آستاں (شاہ مرداں) میں اکٹھا ہوتے ہیں.... کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا، جو اس دن یہ سعادت حاصل نہ کرتا ہو۔ اعلا اور ادنا لوگوں کی سواریاں اتنی کثرت سے ہوتی ہیں کہ راستے چیونٹی کی آنکھ کی طرح تنگ ہو جاتے ہیں۔ اہلِ حرفہ بہت خوبصورتی سے دکانیں سجاتے ہیں۔ چوکی خانہ اہلِ ایمان کا مکان معین ہے۔ وہاں منقبت خواں بلند آہنگ میں قصائدِ عزا پڑھتے ہیں اور اُس جناب معجزہ انتساب سے نجات کا پروانہ حاصل کرتے ہیں۔ مصرع

گر عقبیٰ خواہی زیارتش دریاب [1]

آج کل ہر قمری مہینے کی جمعرات یعنی نوچندی کو اور بیس تاریخ کو مجلسیں ہوتی ہیں۔ ہر سال محرم میں پہلی تاریخ سے دس تاریخ تک مجلسوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ صفر کے مہینے میں بیس تاریخ کو چہلم کے موقع پر مجلس منعقد ہوتی ہے۔ تیرہ رجب کو طرحی محفلِ

مقاصدہ منعقد ہوتی ہے اور ۹ ذی الحجہ کو مجلس ہوتی ہے اور مجلس خانے سے حضرت مسلمؑ کا تابوت اُٹھاکر قدم شریف کے احاطے میں لایا جاتا ہے۔ ۲۵ محرم کو مجلس ہوتی ہے اور حضرت امام زین العابدین کا تابوت اٹھایا جاتا۔

۲۸ رجب کو مجلس ہوتی ہے اور علم اٹھتا ہے۔

یہاں ایک دلچسپ واقعہ بیان کردوں۔ انجمن حیدری کے پہلے سکریٹری آغا مرزا صاحب نے بتایا کہ آزادی کے بعد جب درگاہ شاہ مرداں مسلمانوں کو دوبارہ ملی تو اُس وقت مجلس پڑھنے کے لیے کوئی شیعہ عالم دہلی میں نہیں تھا۔ جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ درگاہ کو حکومت سے واگزار کرانے میں خواجہ حسن نظامی، مولانا زبیر قریشی، مولانا احمد سعید اور مولانا حفظ الرحمٰن پیش پیش تھے، یہ حضرات اس وقت تک مجلس پڑھتے رہے۔ جب تک شیعہ عالم دلی نہیں آ گئے۔

حواشی

ص ۳۳

۱۔ عبداللہ، تاریخ داؤدی، مرتبہ شیخ عبدالرشید، علی گڑھ، ۱۹۵۴ء ص ۲۵

۲۔ مرزا سنگین بیگ، سیر المنازل، مرتبہ و مترجمہ، شریف الحسن قاسمی، نئی دلی، ۱۹۸۲، ص ۸۹

ص ۳۴

۱۔ درگاہ حضرت روشن چراغ دلی کے شمال مشرقی کونے کی دیوار پر سنگ مرمر کی تختی پر ایک کتبہ نصب ہے جس پر فارسی میں لکھا ہوا ہے کہ عہد فیروز شاہ میں تعمیر کیا گیا۔

ص ۳۷

۱۔ سلطان فیروز شاہ، فتوحات فیروز شاہی، مرتبہ شیخ عبدالرشید، علی گڑھ ۱۹۵۴ء، ص ۱۴

۲۔ یحییٰ بن احمد سرہندی، تاریخ مبارک شاہی، مترجمہ ڈاکٹر آفتاب اصغر احمد، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۳۳۹

ص ۳۸

۱۔ سیّد احمد خاں، آثار الصنادید، ۱۸۵۴ء اڈیشن، باب سوم، ص ۸۷

ص ۳۹

۱۔ بشیر الدّین احمد، واقعات دار الحکومت دہلی، جلد سوم، ۱۹۱۹ء، آگرہ، ص ۶۵

2.- List of Muhammadan and Hindu Monuments, Vol. II Calcutta, 1916, p. 195

ص ۴۰ —— ۱۔ صمصام الدّولہ، شہنواز خاں، مآثر الامرا، جلد سوم، مترجمہ ایّوب قادری، لاہور، ۱۹۶۸ء

ص ص ۳۲۷ - ۳۴۵

ص ۴۱

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، جلد سوم، ص ص ۵۸ - ۵۹

ص ۴۲

۱۔ مرزا سنگین بیگ، سیر المنازل، مرتبہ و مترجمہ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی، دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۸۹
۲۔ سیّد احمد خاں۔ آثار الصنادید، دلّی، ۱۸۴۷ء، ص ۲۱۸

ص ۴۶

یہ گنبد عام گنبدوں کی طرح گول نہیں بلکہ مستطیل ہوتا ہے۔ بالکل قلم دان یا چھپر کھٹ کی طرح ہے۔

ص ۴۹

واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۵۹

ص ۵۰

واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۵۹

ص ۵۱

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۶۰

ص ۵۴

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، جلد سوم، ص ۴۷

ص ۵۵

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی کے علاوہ یہ کتبہ آثار الصنادید اور مسلم اور ہندو آثارِ قدیمہ کی فہرست (جلد ۲) وغیرہ میں بھی نقل ہوا ہے۔
۲۔ طامس بیل، مفتاح التواریخ، کانپور، ۱۸۶۷ء، ص ۳۲۷
۳۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی۔ حصہ سوم، ص ۶۰

ص ۵۶

۱۔ جادو ناتھ سرکار نے نواب قدسیہ اور جاوید خاں کے حالات چہار گلزار شجاعی (مصنفہ ہرچرن داس، مخطوطہ، پٹنہ) کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ ہرچرن سنگھ نے ان دونوں کے بارے میں بہت بے ہودہ، مہمل اور ناقابلِ یقین باتیں کہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مصنف کو ان دونوں سے کسی معاملے میں ذاتی پُرخاش تھی۔

ملاحظہ ہو:

Jadu Nath Sarkar, Fall of the Mugahl Empire, V.I, New Delhi -1971.

۲۔ میر تقی میر، ذکرِ میر، مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق، اورنگ آباد، ص ۸۱

ص ۵۷

۱۔ نجم الغنی نے یہ واقعہ تاریخ مظفری کے حوالے سے لکھا ہے۔

۲۔ نجم الغنی، تاریخ اودھ، حصہ اول، لکھنؤ، ۱۹۱۹ء ص ص ۲۶۹ - ۲۷۰

ص ۵۸

۱۔ دلّی میں نواب قدسیہ اور جاوید خاں کی تعمیرات کے لیے ملاحظہ ہوں:

أ۔ خلیق انجم دلّی کے آثارِ قدیمہ، ماہانہ ایوانِ اردو، دلّی، مئی ۱۹۸۷ء، جون ۱۹۸۷ء اور جولائی ۱۹۸۷ء۔

ص ۶۱

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ص ۶۱ - ۶۲

ص ۶۲

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ص ۴۳ - ۴۴

ص ۶۵

1 - List of Muhammadan and Hindu Monuments V II, p. 197

۲۔ سیر المنازل، ص ۲۷۵

ص ۶۶

۱۔ آثار الصنادید (کراچی اڈیشن) ص ۱۱۴

ص ۷۱

۱۔ سیر المنازل، ص ۹

ص ۷۲

1 - List of Muhammadan and Hindu Monuments V-II, p. 197
2. op. cit p. 199

ص ۷۵

1 - List of Mohammadan and Hindu Monuments V II, p. 84
2 - Op. cit. p. 199

ص ۷۶

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ص ۶۳ - ۶۴

ص ۷۷

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ص ۶۳ - ۶۴

ص ۸۱

۱۔ اب یہ کتبے یہاں نہیں ہیں (خ۔۱)

ص ۸۲

۱۔ جس کتاب میں بھی قدم شریف کے حوض کے کنارے کندہ اس شعر کا ذکر کیا گیا ہے، اُس میں اس لفظ کو "زمینے" لکھا گیا ہے اور یہی دُرست ہے، لیکن حوض پر "زمینے" نہیں" زمین" کندہ تھا۔ اس کی نشان دہی بشیر الدین احمد نے کی ہے۔
واقعاتِ دارالحکومت دہلی، ص ۶۵

۲۔ آثار الصنادید پہلا اڈیشن ص ۲۱۶

۳۔ آثار الصنادید، دوسرا اڈیشن، باب سوم، ص ۸۷

ص ۸۴

۱۔ آثار الصنادید، کراچی اڈیشن، ص ۱۱۳

۲۔ واقعاتِ دار الحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۶۵

ص ۸۹

۱۔ واقعاتِ دار الحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۶۶

۲۔ سیر المنازل، ص ۲۷۸

ص ۹۰

۱۔ واقعاتِ دار الحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۶۷

ص ۹۱

۱۔ سیر المنازل، ص ۲۳۷

ص ۹۴

۱۔ واقعاتِ دار الحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۶۳

ص ۹۵

۱۔ سیر المنازل، ص ۹۰

۲۔ ایضاً، ص ۹۱

ص ۹۶

۱۔ سیر المنازل، ص ۲۷۹

۲۔ ایضاً، ص ۲۷۸

ص ۹۷

۱۔ سیر المنازل، ۲۷۸

ص ۹۸

۱۔ سیر المنازل، ص ۲۸۰

۲۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۶۹

ص ۹۹

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۷۶

۲۔ سیر المنازل، ص ۲۷۵

ص ۱۰۰

۱۔ مرزا سنگین بیگ نے عشرت علی خاں کا نام اس طرح لکھا ہے: "ناظر عشرت علی خاں مرحوم محلیِ حضورِ والا محمد اکبر شاہ بادشاہِ غازی (سیر المنازل، ص ۹۰) ناظر اور محلی دونوں خواجہ سرا کو کہتے ہیں۔

۲۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۷۰

ص ۱۰۳

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۷۰

۲۔ ایضاً، ص ص ۷۰-۷۱

ص ۱۰۴

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۷۹

ص ۱۱۱

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۷۳

ص ۱۱۳

1 - List of Mohammadan and Hindu Monuments, Vol. II, pp.209-210

ص ۱۱۴

1 - List of Muhammadan and Hindu Monuments, Vol. II, pp. 2-3

۲۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۸۹

ص ۱۱۶

۱۔ سیر المنازل، ص ۲۳۸

ص ۱۱۹

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ص ۶۶ - ۶۷

2 - List of Muhammadan and Hindu Monuments, Vol. II, p. 203

ص ۱۲۰

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ص ۷۳ - ۷۴
۲۔ سیر المنازل، ص ۲۷۷
۳۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، ص ۶۶

ص ۱۲۱

۱۔ ماثر الامرا جلد ۱ (اردو ترجمہ) ص ۱۰۷
۲۔ محمد ذکاء اللہ، تاریخ ہندوستان، جلد دہم، دہلی ۱۸۹۸ء، ص ۳۲۸
مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Jadu Nath Sarkar, Fall of the Mughal Empire, Calcutta, 1952, pp. 191-203.

W. Franclin, The History fo the Reign of Shah Alam, Allahabad 1934, pp 50, 51, 97, 102.

ص ۱۲۲

۱۔ میر تقی میر، میر کی آپ بیتی، مترجمہ نثار احمد فاروقی، دلی ۱۹۵۷ء ص ص ۱۷۷ - ۱۷۸
۲۔ تاریخِ ہندوستان، جلد دہم، ص ۳۲۸
۳۔ خلیق انجم، مرزا مظہر جانِ جاناں کے خطوط، دہلی، ۱۹۶۲ء، ص ۱۹

ص ۱۲۷

۱۔ سید احمد خاں نے آثار الصنادید کے پہلے اڈیشن میں لکھا تھا کہ "تربتِ نجف" مادۂ تاریخ ہے۔ (آثار الصنادید، پہلا اڈیشن، ص ۲۱۸) جب کہ "این تربتِ نجف" مادۂ تاریخ ہے۔ نجف خاں

نے ۱۱۹۵ء مطابق ۱۷۸۰ء میں انتقال ہوا۔ (آثار الصنادید' اڈیشن اوّل) باب دوسرا'
ص ۹۷) اصل سنہ وفات ۱۱۹۶ء ہے۔ کتبے پر مادۂ تاریخ کے نیچے ۱۱۹۶ء کندہ ہے۔
۲۔ سید کمال الدین حیدر' تواریخ اودھ' جلد ۱' لکھنؤ ۱۹۰۷ء' ص ۳۱

ص ۱۲۸

۱۔ سیر المنازل ۱۳۲

ص ۱۳۰

۱۔ تاریخ اودھ' حصہ اوّل' ص ص ۲۹۴' ۲۹۵

۲۔ ایضاً' ص ۲۹۵

ص ۱۳۷

۱۔ غلام ربانی' پرانی یادگاریں' حیدر آباد' ص ۱۱۱

۲۔ List of Muhammadan and Hindu Monuments, Vol. II, p. 192.

ص ۱۴۴

۱۔ واقعات دار الحکومت دہلی' حصہ سوم' ص ص ۴۲ - ۴۳

ص ۱۴۵

سیر المنازل ص ۲۳۸

ص ۱۴۶

اس کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:
"جندر لال ہانڈا' دلّی جو ایک شہر تھا' مترجمہ سلیم احمد' نئی دلّی ۱۹۶۹ء

ص ۱۴۸

۱۔ ذوالقدر درگاہ قلی خاں' مرقع دلّی' مرتبہ و مترجمہ' نورالحسن انصاری' دلّی' ص ۳ (متن)

کتابیات

۱۔ بشیرالدین احمد، واقعاتِ دارالحکومت دہلی، جلد دوم اور جلد سوم، ۱۹۱۹ء، آگرہ۔
۲۔ جانجاناں، مرزا مظہر، مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، مرتبہ و مترجمہ خلیق انجم، دہلی، ۱۹۶۲ء (فارسی سے ترجمہ)
۳۔ خلیق انجم، دلّی کے آثارِ قدیمہ، ماہانہ ایوانِ اُردو، دلّی، مئی ۱۹۸۷ء، جون ۱۹۸۷ء اور جولائی ۱۹۸۷ء
۴۔ درگاہ قلی خاں، مرقّع دہلی، مترجمہ پروفیسر نورالحسن انصاری، دلّی
۵۔ ذکاءاللہ، دیکھیے محمد ذکاءاللہ (فارسی سے ترجمہ)
۶۔ سرہندی، یحییٰ بن احمد، تاریخ مبارک شاہی، مترجمہ ڈاکٹر آفتاب اصغر، لاہور، ۱۹۷۶ء (فارسی)
۷۔ سید احمد خاں، آثارالصنادید، ۱۸۴۷ء، دلّی
۸۔ سید احمد خاں، آثارالصنادید، ۱۸۵۴ء، دلّی
۹۔ سید احمد خاں، آثارالصنادید، ۱۹۰۴ء، لکھنؤ ۱۹۰۰ء
۱۰۔ سید احمد خاں، آثارالصنادید، مرتبہ سید معین الحق، کراچی، ۱۹۶۶ء
۱۱۔ صمصام الدولہ شہنواز خاں، مآثرالامرا، جلد سوم، مترجمہ ایوب قادری،
۱۲۔ لاہور، ۱۹۶۸ء (فارسی سے ترجمہ)
۱۳۔ طامس بیل، (ولیم طامس بیل) مفتاح التواریخ، کانپور، ۱۸۶۷ء (فارسی)

۱۴۔ عبداللہ، تاریخ داؤدی، مرتبہ شیخ عبدالرشید، علی گڑھ، ۱۹۵۴ء (فارسی)
۱۵۔ غلام ربانی، پرانی یادگاریں، حیدرآباد
۱۶۔ کمال الدین حیدر (سید) تواریخ اودھ، جلد ا، لکھنؤ ۱۹۰۷ء
۱۷۔ مرزا سنگین بیگ، سیر المنازل، مرتبہ و مترجمہ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی، دہلی ۱۹۸۲ء، (فارسی)
۱۸۔ محمد ذکاء اللہ، تاریخ ہندوستان، جلد دہم، دہلی ۱۸۹۸ء
۱۹۔ میر، میر تقی، ذکر میر، مرتبہ مولوی عبدالحق، اورنگ آباد (فارسی)
۲۰۔ میر، میر تقی، میر کی آپ بیتی، مترجمہ نثار احمد فاروقی، دلی، ۱۹۵۷ء (فارسی سے ترجمہ)
۲۱۔ نجم الغنی، تاریخ اودھ، حصہ اول، لکھنؤ، ۱۹۱۹ء
۲۲۔ پانڈا، راجندر لال، دلی جو ایک شہر تھا، مترجمہ سلیم احمد، نئی دلی، ۱۹۶۹ء (ہندی سے ترجمہ)

Sarkar, Jadu Nath, Fall of Mughal Empire, Vol. I, New Delhi, 1971.

List of Muhammadan and Hindu Monuments, Vol. II, Calcutta, 1916.

Frenclin W., The History of the Reign of Shah Alam, Allahabad, 1934.

اشاریہ

ادارے، تنظیمیں اور سرکاری دفاتر — ص ۱۶۳
خاندان — ص ۱۶۳
عمارتیں، بستیاں، سڑکیں اور محلّے — ص ۱۶۳
قبریں — ص ۱۶۵
کتابیں اور رسالے — ص ۱۶۶
مسجدیں — ص ۱۶
ملک، صوبے اور شہر — ص ۱۶۷
مقبرے — ص ۱۶۷
نام — ص ۱۶۸

ادارے، تنظیمیں اور سرکاری دفاتر

آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا ۱۴۰
اردو اکادمی (دلّی) ۱۳-۱۶-۱۸-۲۲-۲۸
انجمن ترقی اردو (ہند) ۱۱
انجمنِ حیدری ۲۱-۲۸-۴۲-۴۵-۷۱-۱۴۵-۱۴۹
بمبئی یونیورسٹی ۸۸
دلّی یونیورسٹی ۲۲
ڈی۔ڈی۔اے ۴۵
راجدھانی نرسری ۴۲-۴۵-۴۶
سپریم کورٹ ۵۱-۵۲
سی۔پی۔ڈبلیو۔ڈی ۲۷
غالب ہاؤسنگ سوسائٹی ۱۳
گلدستۂ حیدری ۱۴۵
مہاراشٹر پردیش کانگریس کمیٹی ۱۲
میونسپل کارپوریشن (نئی دلّی) ۶۱
نیشنل میوزیم ۲۷-۱۴۷

خاندان

تغلق خاندان ۳۴
پٹھان خاندان ۳۷
سیّد خاندان ۳۷-۳۸
قوم عارفی ۷۶
لودی خاندان ۳۷
مغل خاندان ۵۰

عمارتیں، بستیاں، سڑکیں اور محلّے

اردو گھر ۱۱-۱۲
اروند مارگ ۳۳
امام باڑہ (دلّی) ۱۰۳
امام باڑہ عشرت علی خاں ۱۱۴
بادشاہ پسند (مقبرہ صفدر جنگ) ۱۴۰
باغ نواب مبارک محل بیگم ۱۱۶
باغیچی عیسیٰ خاں ۱۱۹-۱۲۰
بجے منڈل ۳۴
بدیع منزل
دیکھیے: بجے منڈل
برج کاشۂ حضرت فاطمہ ۱۲۰
بستی حضرت نظام الدینؒ ۳۴-۳۷
بی بی پور (موضع دلّی) ۳۷
بی بی فاطمہ کی چکّی ۸۴-۱۱۴
پرانا قلعہ (دلّی) ۱۴۶
پہاڑی دھیرج ۲۱
تاج محل ۱۲۷

تبر جہ ۳۷

تغلق آباد ۳۳-۳۴

تلک برج ۷۵

جامع مسجد ۲۱

جماعت خانہ (درگاہ حضرت نظام الدین ۳۴

جمنا ۳۷-۳۸

جنگلی محل (مقبرہ صفدر جنگ ۱۴۰

جور باغ (موضع دہلی) ۴۲

جور باغ مارگ ۳۳-۴۲-۴۵-۶۱

جور باغ کالونی ۳۳

جہاز (شاہ مرداں) ۱۱۴

چوکھنڈی شاہ نعمت الٰہی ۹۸

چوکھنڈی مہر النسا بیگم ۹۲

چوہیا کا چھتہ ۹۲

حوض شاہ مرداں (قدم شریف) ۳۸-۳۹
۵۴-۵۵-۵۸-۸۱-
۸۲-۸۳-۸۴-

خاص محل (لال قلعہ دلی) ۵۷

خانقاہ مرزا مظہر جان جاناں ۱۲۲

خیر پور (موضع دہلی) ۳۳

درگاہ پنجہ شریف ۸۴-۱۰۳

درگاہ چھٹے بٹے: دیکھیے درگاہ سید عارف علی شاہ

درگاہ روشن چراغ دلی ۳۴-۵۳

درگاہ عارف علی شاہ، سید ۷۶-۹۸

" درگاہ نظام الدین اولیا" ۳۷-۳۸

" درگاہ شاہ مرداں ۱۳-۱۴-۱۸-۱۹
۲۰-۲۱-۲۳-۲۴-۲۵-
۲۶-۲۷-۲۸-۲۹-۳۳-
۳۴-۳۸-۴۰-۵۳-۵۵-
۵۷-۶۲-۶۵-۶۶-۷۱-
۷۲-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-
۸۷-۸۹-۹۴-۹۵-۹۶-
۹۷-۹۸-۱۰۳-۱۰۴-۱۱۵-
۱۱۹-۱۲۰-۱۲۲-۱۴[illegible]-۱۴۶-
۱۴۷-۱۴۸-

زینت طوائف کا مکان ۶۵

سکیت ۳۳

شاہ مرداں
دیکھیے: درگاہ شاہ مرداں

شاہی قلعہ (الٰہ آباد) ۱۲۱

صفدر جنگ (نئی دلی کا ایک علاقہ) ۳۴-۳۷

عادل آباد ۳۴

علی جی دیکھیے علی گنج

علی گنج ۱۴-۲۰-۲۱-۲۴-۲۶-۲۷-
۳۸-۳۹-۴۲-۴۵-۵۳-
۵۴-۷۶-۸۳-۸۴-۱۱۹-۱۲۰

غیاث پور (موجودہ بستی حضرت نظام الدین) ۳۷
فصیل علی گنج ۳۹-۵۳-۵۸-۱۴۶
قبرستان شاہی خاندان ۹۵
قدسیہ باغ ۲۳-۵۸
قدم شریف (قدم مبارک) ۲۴-۲۵-۳۴
۳۸-۳۹-۵۷-۷۸-۸۱-۸۲-۸۴
۱۰۰-۱۱۶-۱۱۹-۱۴۸
قلعہ تغلق آباد ۳۴
کاظمین ۹۲
کربلا ۱۴-۲۱-۲۸-۳۸-۴۱-۴۲
۴۵-۴۶-۵۰-۵۱-۵۲-
۵۳-۶۱-۷۱-۱۲۲-۱۴۵-
۱۴۶-۱۴۷
کربلا روڈ ۳۳
کربلائے معلّیٰ (عراق) ۱۳۰
کشمیری دروازہ (کشمیری گیٹ) ۸۴-۱۰۳
کوٹلہ فیروز شاہ ۱۴۶
کوٹلہ مبارک شاہ ۱۰۳
کھڑکی ابراہیم علی خاں ۱۰۳
کھڑکی مسجد ۳۴
گلاب باڑی (فیض آباد) ۲۵-۱۳۰
لال قلعہ (دلّی) ۱۴۸
لال کنواں (دلّی کا ایک علاقہ) ۴۲-۴۵
لال محل (نزد نقار خانہ شاہ مرداں) ۷۱

لودی روڈ ۲۱
لودی کالونی ۱۲۲
مبارک آباد (دلّی) ۳۸
مبارک پور (دلّی) ۳۷
مجاہد پور (موضع دلّی) ۱۲۲
مجلس خانہ عشرت علی خاں ۵۴-۹۴-۹۸
۱۰۰-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۹-۱۱۲
۱۱۵-۱۱۶-۱۴۹
مجلس خانہ نواب قدسیہ ۲۶-۵۴
۵۵-۵۸-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۹
مجو نواسی بیگم ۹۴
محل قدسیہ باغ ۵۸
موتی محل (مقبرہ صفدر جنگ) ۱۴۰
مہرولی ۳۳
مہرولی روڈ ۳۳
نجف خاں روڈ ۱۲۲
نقار خانہ ۶۶-۷۱-۷۵-۷۷-۸۷
ہڑوار اکبر مرزا ۹۲
ہوائی اڈہ صفدر جنگ ۱۴۶

قبریں

قبر آغا محمد یوسف ۱۰۸-۱۰۹
قبر افراسیاب، بخشی الملک اشرف الدولہ ۱۴۴
قبر ابراہیم بیگ نواب ۱۲۰

قبر احمد حسین ۹۰
قبر اشرف بیگ خاں ۴۱۔۵۱
قبر بی بی نزہت زمانی بیگم ۸۷
قبر بیبا جان ۱۱۱
قبر جاوید خاں خواجہ سرا ۱۱۳
قبر حسین مرزا ۱۰۶
قبر خورشید علی رضوی ۱۱۵
قبر سادات خاں ۹۴
قبر سجاد ۱۱۱ ـ ۱۱۲
قبر سید سلطان مرزا ۱۰۴ ـ ۱۰۵
قبر سید علی حسن ۱۰۴ ـ ۱۱۰ ـ ۱۱۶
قبر سیدہ خاتون ۱۰۷ ـ ۱۱۲
قبر شاہ نعمت الٰہی ۹۹
قبر صاحب زادی مرزا علی محمد خاں ۸۷
قبر صدر النسا ۹۶
قبر صفدر جنگ ۱۳۹
قبر شرف النسا بیگم عرف حاجی بیگم ۹۶
قبر عباس مرزا ۱۰۵
قبر عشرت ۶۵ ـ ۹۴
قبر عشرت اللہ ۱۰۷
قبر قاسم علی خاں ۹۷
قبر کبریٰ بیگم ۱۰۶ ـ ۱۱۲
قبر کربلائی بیگم ۱۱۵
قبر قدسیہ نواب ۵۰
قبر ماہ خانم ۵۱ ـ ۵۰ ـ ۴۶
قبر مرتضیٰ فضل علی ۵۱
قبر محمد میر ۱۰۸
قبر محل دار بیگم ۸۹
قبر مرزا محسن ۹۵
قبر نامعلوم ۹۶
قبر نجف علی خاں ۹۲
قبر ولایتی خانم ۱۱۱

کتابیں اور رسالے

آثار الصنادید ۳۸ ـ ۲۴ ـ ۲۲ ـ ۱۷
۸۲ ـ ۸۳
ایوانِ اردو (ماہانہ۔ دہلی) ۲۲ ـ ۱۷ ـ ۱۳
۲۳
تاریخ داؤدی ۳۳
ذکر میر ۱۲۱ ـ ۵۶
سیر المنازل ۷۱ ـ ۴۰ ـ ۳۳ ـ ۲۸ ـ ۲۴
فہرست مسلم اور ہندو آثار قدیمہ ۵۲ ـ ۳۹
جلد دوم (انگریزی) ۷۶ ـ ۴۲ ـ ۶۵
۱۳۸ ـ ۱۱۹ ـ ۱۱۴ ـ ۱۱۳ ـ ۸۳
مآثر الامرا ۲۴
مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط ۱۲۲

مرقعِ دہلی ۷۸ - ۱۴۸

واقعاتِ دارالحکومت دہلی جلد سوم ۲۸-۳۹

۵۲-۵۸-۶۲-۸۳-۱۰۴-۱۱۶

۱۱۹-۱۲۵

مسجدیں

مسجد النبی ۷۵

مسجد درگاہ عارف علی شاہ ۷۵

مسجد زینت طوائف ۶۱

مسجد سنہری (سنہری مسجد) ۲۳-۷۲

مسجد سید آغا حیدر ۱۰۳

مسجد عیسیٰ خاں ۱۲۰

مسجد قدسیہ باغ ۵۸

مسجد قناتی ۶۱

مسجد متصل نقار خانہ شاہِ مرداں ۷۱

مسجد مقبرہ صفدر جنگ ۱۳۸

مسجد منہدمہ ۱۳۹

مسجد موٹھ ۳۸

مسجد نواب قدسیہ شاہِ مرداں ۵۴-۵۸

۱۱۶-۱۱۹

مقبرے

مقبرہ بی بی کا دیکھیے مقبرہ رالیہ دورانی

مقبرہ خان خاناں ۱۳۷

مقبرہ رالیہ دورانی ۱۳۷

مقبرہ سلطان بہلول لودی ۳۸

مقبرہ سلطان سکندر لودی ۳۸

مقبرہ سید عارف علی شاہ ۷۶

مقبرہ صفدر جنگ ۳۳-۳۷-۳۸-۴۱

۱۳۰-۱۳۷-۱۳۸-

۱۳۷ تا ۱۴۴-۱۴۶

مقبرہ عیسیٰ خاں ۱۲۰

مقبرہ مبارک شاہ ثانی ۳۷-۳۸

مقبرہ مبارک محل بیگم ۲۵

مقبرہ مرزا نجف خاں ۲۵-۱۲۰-۱۲۲

منصور کا مدرسہ

دیکھیے: مقبرہ صفدر جنگ

منصور کا مقبرہ

دیکھیے: مقبرہ صفدر جنگ

مقبرہ مہابت خاں ۷۲

مقبرہ نواب مبارک محل بیگم ۱۱۶

مقبرہ ہمایوں ۳۸-۱۳۸

ملک، صوبے اور شہر

اجمیر ۴۰

اٹاوہ ۱۱۰

اصفہان ۱۲۱

الہ آباد ۱۲۱-۱۳۰
اودھ ۱۲۹-۱۳۰
برہان پور ۴۰
بنارس ۵۲
بکسر ۱۲۱
بنگال ۱۲۱
بنگالہ (صوبہ) ۱۲۹
بیدر ۹۴
پاپڑ گھاٹ ۲۵-۱۳۰
پاکستان ۲۶-۸۴-۱۴۶
جہاں آباد ۱۲۱
حیدر آباد دکن ۱۱۰
دکن ۲۴-۲۵-۷۲
دلّی ۱۶-۲۰-۲۱-۲۲-۲۴
۲۷-۲۸-۳۴-۴۰-۴۵
۵۰-۵۲-۵۳-۷۲-۷۶
۱۰۳-۱۱۰-۱۲۲-۱۲۹-۱۳۰
۱۴۶-۱۴۷
دلّی (پرانی) ۳۳
سلطان پور ۲۵-۱۳۰
شاہ جہاں آباد (دلّی) ۱۲۱
غوث پور (ضلع بجنور) ۷۶
فیض آباد ۱۳-۲۵
کابل ۴۰
کوڑا ۱۲۱
لکھنؤ ۱۶-۱۳۰
مظفر نگر ۷۶
نیشاپور ۱۲۹

نام

ابراہیم بیگ خاں بہادر، نواب ۱۲۰
احتشام الدّولہ ۱۲۰
احمد خاں بنگش ۱۲۹
احمد سعید (مولانا) ۲۱-۱۴۷-۱۴۹
احمد خاں بنگش ۱۲۹-۱۳۰
احمد شاہ بادشاہ ۳۹-۵۶
احمد شاہ بادشاہ ۱۳-۲۳-۵۵-۵۶
۵۷
ادہم بائی
دیکھیے:۔ نواب قدسیہ
آزاد، جگن ناتھ ۱۷
آزاد، مولانا محمد حسین ۱۰۸-۱۰۹
اسد خاں (جاوید خاں بخشی فوج) ۵۶
اسماعیل بیگ خاں بہادر فیروز جنگ ۱۲۰
اکبر شاہ ثانی ۲۵-۲۶-۱۰۰
اشرف بیگ خاں ۴۱-۴۲-۵۱-۷۱

اعظم شاہ (ابنِ اورنگ زیب) ۱۴۷

اعجاز حسین، سید ۷۷

آغا محمد ابراہیم ۱۰۸-۱۰۹

آغا مرزا ۲۸-۸۴-۱۴۵

افراسیاب، اشرف الدولہ ۲۵-۱۲۸

امراؤ مرزا نواب ۹۰

امرت حسین ۱۴۵

امیر حسین، مولوی سید ۱۱۰

امیر خاں، عمدۃ الملک ۱۲۹

امیر علی ۲۸-۷۱-۸۷

انتظام الدولہ خان خاناں ۱۳۰

بائی جیو صاحبہ

دیکھیے :- نواب قدسیہ

بڑے خاں ۳۷

بشیر الدین احمد ۱۴-۲۸-۴۱-۴۲
۴۹-۵۰-۵۱-۵۳-۵۴
۵۵-۵۸-۶۱-۷۵-۷۶
۷۷-۷۸-۸۴-۸۹-۹۰
۹۲-۹۳-۹۴-۹۸-۹۹
۱۰۰-۱۰۳-۱۱۰-۱۱۵
۱۱۶-۱۱۹-۱۲۰-۱۳۸-۱۴۲

بلال محمد خاں ۱۳۷

بن جی زین دار ۱۲۹

بیبا جان ۱۱۲

بیگم اشرف بیگ خان ۵۰

بیگم شاہ نعمت الٰہی ۹۹

بھگوان سہائے ۲۱

پٹیل، رجنی ۱۲

تیاگی، مہابیر ۲۱

جاوید خاں خواجہ سرا نواب بہادر ۵۴-۵۶
۵۷-۱۳۰

جانِ جاناں، مرزا مظہر ۱۵-۱۲۲

جعفری، سید حسین علی ۱۹-۲۱-۲۸-۱۴۵

جونالشہ خان جہان ۳۴

جہاں دار شاہ، معز الدین ۵۷

جہانگیر بادشاہ ۴۰

جین، اجیت پرشاد ۲۱

چھوٹے خاں ۳۷

حافظ شیرازی ۳۹

حامد علی خاں، نواب رام پور ۱۴۷

حسین بلگرامی، مولوی سید ۱۱۰

حفظ الرحمٰن، مولانا ۱۴۷-۱۴۹

حیدر، حسام الدین ۹۶

حیدر نقوی، سید محمود ۱۴۵

خان رشید حسن ۱۷

خان عشرت علی (ممکن ہے یہ وہی عشرت

ہوں جن کی قبر کا ذکر ص ۹۴ پر کیا گیا ہے)
۲۶-۹۴-۱۰۰-۱۰۳-۱۱۴
خان، حیدر ۴۵
خان عبدالمعید ۴۵-۴۶
خلیق انجم ۱۱-۱۲-۱۳-۱۴-۱۵
۱۶-۱۷-۱۸-۱۹-۲۰
خوش دامن حسام الدین حیدر ۹۶
درگاہ قلی خاں، نواب ذوالقدر ۷۸-۱۴۸
ذاکر حسین، ڈاکٹر ۲۱
ذوالفقار، سید ۱۴۵
رضوی، سید عسکری ۱۴۵
رضوی، سید علم دار ۲۸
رعنائی (بشیر الدین احمد نے لکھا ہے کہ
نواب قدسیہ شاعرہ تھیں اور رعنائی
تخلص کرتی تھیں) ۵۸
رفیع الدین ۸۸
زیدی، کرنل بشیر حسین ۱۴-۲۱-۲۷-۲۹
۱۴۵-۱۴۷
زیدی، سید ابوالکلام قیصر ۱۴۵
زیدی، سید مظفر حسین ۱۴۵
زین یار جنگ، نواب ۱۴۵
زینبؓ، حضرت ۸۹
زینت طوائف ۶۲-۶۶

ساقی، سید اولاد ۱۴۵
سرور الملک ۳۷
سرور، آل احمد ۱۱
سرسید،
دیکھیے:- سید احمد خاں
سجاد مرزا ۱۰۶
سکینہؓ (حضرت) ۸۹
سلطان بہلول لودی ۳۳
سلطان مرزا، نواب سید ۱۰۵
سکندر شاہ ثانی ۳۸
سکندر لودی ۳۷
سمار، اشرف علی ۱۴-۸۴
سمار، غلام اصغر ۹۲
سنگین بیگ، مرزا ۲۴-۲۵-۲۶-۲۸
۳۳-۴۲-۴۴-۶۲
۶۵-۷۱-۸۹-۹۶
۹۷-۱۲۰-۱۲۸
سخاوت خاں، برہان الملک ۱۲۹
سودا، مرزا محمد رفیع ۱۵
سورج مل جاٹ ۱۳۰
سید احمد خاں (سرسید) ۱۷-۲۲-۳۷
۳۸-۳۹-۴۲-۸۲-۸۳
۸۴-۱۴۰

سیدہ خاتون ۱۰۸
شاہ جہاں بادشاہ ۲۴-۴۰
شاستری، لال بہادر ۱۴-۲۱-۲۷
شاعر (غالباً آغا شاعر قزلباش) ۱۰۹
شاہ عالم بادشاہ ۲۵-۲۶-۹۴-۹۵
شاہ نواز خاں۔ نواب صمصام الدولہ ۲۴-۱۲۱
شجاع الدولہ، نواب ۲۵-۱۲۱-۱۳۷
۱۳۸
شرف النسا بیگم، عرف حاجی بیگم ۸۱
شریف حسین قاسمی ۹۱
شنکر پرشاد (چیف کمشنر دلی) ۱۴۷
صدر جہاں بیگم (نواب سعادت خاں
برہان الملک کی بڑی صاحبزادی) ۱۲۹
صفدر جنگ مرزا مقیم المخاطب بہ ابوالمنصور خاں
۲۵-۵۶-۵۷-۱۲۱-۱۲۹-۱۳۰
ضابطہ خاتون ۱۲۱
ظہیر الدین حیدر۔ سید۔ عرف نواب سید
محمد مرزا ۱۱۲
ظہیر علی شاہ، سید ۷۶
عابد علی ۱۴۵
عارف علی شاہ، سید ۷۷
عارف علی شاہ، سید ۹۸
عالم گیر بادشاہ ۷۷
عالمگیر ثانی، ابوالعادل عزیز الدین محمد ۵۷
عباس مرزا ۱۰۶
عبداللہ ۳۳
عشرت ۹۴
علیؓ (حضرت) ۲۰-۲۴-۳۸-۸۲
علی برید شاہ بادشاہ ۹۴
علی بیگ خاں سیقچی ۵۷
علی محمد خاں، مرزا ۸۸
علی وردی خاں ۱۲۹
عمادالملک، نواب ۱۱۰
عیسیٰ خاں ۱۲۰
غازی الدین خاں، عمادالملک ۵۷
غالب (مرزا اسد اللہ خاں) ۱۵-۱۷
غلام ربانی ۱۳۷
غیاث الدین تغلق ۳۴
غیاث الدین محمد خاں، مرزا ۱۲۷
فاروقی۔ نثار احمد ۱۷
فاطمہ علیہا السلام (حضرت) ۸۴-۸۷-۸۸
فاطمہ (بنت مرزا نجف خاں) ۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸
فضل علی، سر سید ۵۲
فیروز شاہ تغلق ۳۴-۳۷-۳۸
قاسم علی خاں، نواب ۱۲۱
قدسیہ بیگم ۱۲

قدسیہ، نواب ۱۴-۲۳-۲۴-۳۹
۳۸-۵۰-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷
۵۸-۷۲-۸۲-۸۳-۱۱۴
۱۱۵-۱۱۹-۱۳۰

قریشی، مولانا زبیر ۲۱-۱۴۷-۱۴۹

قمر الدین خاں ۱۳۰

قیصر زیدی
دیکھیے :- زیدی

کاظمی، سید شرافت حسین ۷۱

کاظمی، نجم الحسین ۲۹

کالے خاں ۳۷

کرشن چندر ۲۱

کرشن کمار ۱۴۷

کلائیو لارڈ ۱۲۱

کمال الدین حیدر، سید ۱۲۶

کھنہ مہر چند ۲۰-۱۴۷

لطف علی خاں ۵۵

مالک رام ۱۶

مان خاں، معتقد الدولہ بہادر ۵۵

ماہ خانم ۴۹

مبارک شاہ ثانی بادشاہ ۳۷-۳۸

مبارک محل بیگم (والدہ اکبر شاہ ثانی) ۱۱۶

مجنوں دہلوی، سید وقار عباس رضوی ۸۴

محسن الملک بہادر، نواب ۱۱۰

محسن قلی خاں ۹۵-۹۶

محمد حفیظ، حافظ ۹۷

محمد ذکا اللہ ۱۲۱-۱۲۲

محمد شاہ بادشاہ ۱۴-۲۳-۳۹-۵۵-۱۲۹

محمد عادل تغلق شاہ ۳۴

محمد عباس، سید ۸۷-۸۸

محمد عقیل بلگرامی ۱۱۰

محمد قلی ۱۲۱

محمد گلستانہ، مرزا سید، عرف مرزا خانی ۸۱-
۹۶

محمد میر ۱۱۲

محمود خاں ۱۲۷-۱۲۸

مختار الدین احمد ۱۷

مختار حسین ۷۵

مرتضیٰ فضل علی، جسٹس ۲۸-۵۲

مرزا بھچو (حکیم) ۱۳۰

مرزا محسن ۱۲۱

مسماۃ بیگم ۱۲۱

مسیح الدولہ ۱۳۰

مصرا، جسٹس واسدیو ۲۷-۲۸-۱۴۷

مظہر حسین، مرزا سید ۱۴۵

موسیٰ خان ۹۱

موسیٰ کاظم علیؑ علیہ السلام ۹۲
مہابت خاں، زمانہ بیگ ۲۴-۲۵-۲۷-۴۰-۷۲-۷۵
مہدی، ڈاکٹر مرزا باقر ۱۴۵
مہر النسا بیگم ۹۳
میر، میر تقی ۵۶-۱۲۱
ملا جسٹس، آنند نرائن ۱۱
نادر شاہ ۱۲۹
نارنگ، گوپی چند ۱۷
نجف خاں بہادر، مرزا ۲۱-۲۵-۵۳-۱۲۰-۱۲۲-۱۲۶-۱۲۸
نجم الغنی ۵۶-۱۳۰
نظام الدین اولیا، حضرت ۳۴
نظامی، خواجہ حسن ۱۴۷-۱۴۹
نظیر بیگ، مرزا ۱۱۰
نقوی، سید شریف الحسن ۱۸-۲۲-۴۸
نواب بائی
دیکھیے :- نواب قدسیہ
نواب رام پور ۲۱
نواسی بیگم ۹۰
نہرو، پنڈت جواہر لال ۲۱
نیاز احمد ۱۴۵
وزیر علی خاں، نواب ۱۰۳
وقار الملک، نواب ۱۱۰
ولیم طامس بیل ۵۵
یونس ۴۲

پُرانا قلعہ دہلی